

اسلام اور غیر اسلامی تہمتیں

www.KitaboSunnat.com

تالیف
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← نام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ اوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور غیر اسلامی تہذیب

ترجمہ "اقتضاء الصراط المستقیم"

جس میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے اسلامی تہذیب کے اصول و مبادی
اسلامی و غیر اسلامی تہذیبوں کے حدود و غیر مسلم قوموں سے مشابہت اور
بدعات پر کتاب و سنت کی روشنی میں حکیمانہ اور ایمان افسروز
انداز میں کلام کیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

تلخیص و ترجمہ

مولوی شمس تبریز خاں

رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

(جمل حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)



بار سوم

۱۳۹۹ھ - ۱۹۷۹ء

کتابت _____ ظہیر احمد کاکوروی
طباعت _____ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ (آفسٹ)
صفحات _____ ۱۹۶
قیمت _____ نو روپے

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام بکسٹ لکھنؤ
پوسٹ بکسٹ ۱۱۹

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲	زہد خشک رہنا بہت ہے	۴	پیش لفظ از مولانا ابوالحسن علی ندوی
۴۶	اسلام میں زکات دینا نہیں	۱	کتاب سے پہلے از مترجم کتاب
۴۸	غلو فی الدین کی بدعت	۶	باب اول۔ اسلام اور سکہ تشبہ
۴۹	حدود و تعزیرات میں مشابہت	۷	بعثت محمدی سے پہلے دنیا کی حالت
۵۰	مزاروں پر عجمی میں مشابہت	۸	یہودی مفضوبیت اور نصاریٰ کی ضلالت
۵۱	مشابہت کے چند اور پہلو	۱۲	ضلالت کا سبب دین میں غلو
۵۲	اذان و عبادات میں مشابہت کے ممانعت	۱۷	اسلام اور قدیموں کا کامل تصور
۵۷	سکہ تشبہ میں ائمہ اربعہ کا اجماع	۲۲	کفر کی مخالفت اسلام کا مقصود
۶۱	عربوں سے مشابہت کا حکم ان کی افضلیت کے سبب	۲۶	اوقات نماز میں تشبہ سے ممانعت
۶۵	باب دوم۔ ما قبل اسلام مذاہب کے ساتھ اسلام کا رویہ	۲۹	جاہلیت سے ممانعت
		۳۳	مفضوب قبیحوں کی سرزمین بھی مفضوب
	باب سوم غیر اسلامی تقریبات ،	۳۷	تشبہ کی کچھ صورتیں
۷۳	عیدوں اور تیواروں میں شرکت	۴۰	تشبہ کی چند اور احادیث

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۹	چند بدعت گاہوں کی نشان دہی	۸۲	احادیث میں اتنا عامی احکام
۱۳۸	قبروں پر دعا کا حکم	۸۸	مسئلہ پر صحابہ کا اجماع
۱۵۱	قبر پرستی کے دلائل کا ابطال	۸۹	غیر اسلامی زبانوں کا مسئلہ
۱۵۶	دعا کے بارے میں کچھ تصریحات	۹۵	غیر اسلامی عیدوں پر تفصیلی نظر
۱۶۱	قبر پر دعا کے چند احکام	۱۰۱	بیع و اجارہ کی مانعت
۱۶۶	مقامات مقدسہ کا حکم	۱۰۳	ذبیحہ پر راد اور ہدیہ کا حکم
۱۶۹	سحر و طلسمات کی بدعتیں	۱۰۸	کفار کے روزے اور تیوہار
۱۷۱	غیر اللہ کی قسم کھانا	۱۱۰	اسلام اور بدعت کا کھلا تضاد
۱۷۶	دعا اور استعاذہ کی ایک فلسفیانہ بحث	۱۱۳	نماز تراویح بدعت نہیں
۱۷۹	مقامات مقدسہ پر مزید روشنی	۱۱۶	بدعتیں کیونکر ایجاد ہوتی ہیں؟
۱۸۳	سوال و دعا صرف خدا سے	۱۲۱	قیاس کے تین مقیاس
۱۸۴	بدعت و مشابہت پر مزید بین کا تقاضا ہے	۱۲۵	عید کی بدعتیں
۱۸۷	خدا کے بارے میں انبیاء اور فلاسفہ کا طرز تصور	۱۳۶	عید مکائی کی بدعتیں

پیش لفظ

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد! پیش نظر کتاب ”اسلام اور غیر اسلامی تہذیب“ کو جو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی جلیل القدر تصنیف اقتضاء الصلوٰۃ المستقیمہ، مخالفت اصحاب المجہمہ کا آزاد ترجمہ اور تلخیص ہے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے پیش کرنے میں ان سطوس کے راقم کو وہ خوشی محسوس ہو رہی ہے جو ایک اہم فریضہ کے ادا اور ایک قیمتی تحفہ کے پیش کرنے میں محسوس کی جاتی ہے، اس کتاب کی طباعت سے ایک دیرینہ آرزو پوری ہوئی، اس تحفی براہ عظیم کے مسلمان عام طور پر اور ہندوستان کی مسلم اقلیت جو اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر ایک ملت کھلانے کی مستحق ہے خاص طور پر چین نازک حالات سے گزر رہی ہے اور اخذ و استفادہ تعلق و اختلاط، وسعت قلب و رواداری میں جس احتیاط کی ضرورت تہذیب و معاشرت، عبادات و خصائص، مذہبی اور قومی تقریبات اور لباس و شعائر کے مسائل میں مسلمانوں کا رویہ متعین کرنے نیز ایک صاحب عقیدہ اور صاحب شریعت گروہ کی ثبات و استقامت اور نفرت و تعصب، خود شناسی و خود اعتمادی اور دوسروں کی تحقیر و تذلیل، اپنے ملی وجود کی بقا اور اپنی ملی خصوصیات کی حفاظت اور اغیار کے معاملہ میں جارحانہ طرز عمل کے درمیان با ایک لیکن واضح اور مدین سرحدی کبیر کھینچنے کا جو نازک اور دشوار کام اس وقت پیش آ گیا ہے اس کے لئے عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اس بارے میں قرآن و حدیث کی تعلیمات، شریعت اسلامی کی ہدایات اور اقوام و ملل اور مذاہب ادیان کی تاریخ کے تجربات اس طرح پیش کئے جائیں کہ مسلمان ان کی روشنی میں ہندوستان

جیسے ملک میں جو رنگا رنگ تہذیبوں اور فلسفوں کا مخزن ہے اور جہاں کا ذہن ان مسائل میں زیادہ ذکی احساس قیاس
ہوا ہے اپنا مقام و موقف تجلیں کر سکیں۔

شیخ الاسلام کی یہ کتاب مشروع سے راقم سطور کی منتخب و پسندیدہ کتابوں میں تھی، لیکن ۱۹۵۷ء
میں جب لاس انجلس میں مطبعتہ انصار السنۃ، قاہرہ سے شیخ محمد حامد الفقی کے تحقیق و تمشیح کے ساتھ شائع
ہوا، اور فاضل ناشر وحشی نے طبع و طبع میں خود وہ کتاب اقم کو عنایت فرمائی اس وقت دل میں یہ حرکت پیدا ہوئی
کہ اسکو مناسب اختصار و انتخاب کے ساتھ اردو کے پیرائے میں پیش کیا جائے، اپنی بڑھی ہوئی مصروفیت و ذمہ داریوں
کے پیش نظر یہ کام بعض عزیزوں کے پر دیکھا لیکن وہ انجام نہ پاسکا، مقام مستحب ہے کہ اب عزیز گرامی مولوی
شمس تبریز خاں فریق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام نے اس کی تکمیل کی انھوں نے اس فرض کو حسب معمول
بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا، انھوں نے ترجمہ کو زیادہ عام فہم و سچپ و شگفتہ بنانے اور کتاب کو زیادہ
مفید و عصر حاضر کے مطابق اور ہندوستان کے حالات سے قریب کرنے کیلئے اجتہاد سے کام لیا، جا بجا
تشریحی اور تمہیدی جملہ توں و دعویٰ کو مفصل و مدلل کرنے کیلئے بعض نئے مہم نغین کی کتابوں کے نقول و
اقتباسات کا اضافہ کیا، جدید انگریزی ماخذ اور مستند انسائیکلو پیڈیا سے دعویٰ کے ثبوت میں شہادتیں و
ظواہر و اقتباسات پیش کئے اپنے ادبی ذوق کی بنا پر عربی فارسی اور اردو کے اشعار حتیٰ کہ عام شعراء کے اشعار
نقل کرنے میں بھی انھوں نے تکلف سے کام نہیں لیا، شیخ الاسلام کے دریائے بے کراں اور بیل ڈاں کو کوزہ میں
بند کرنا آسان کام نہیں تھا، انکے ننکلا نہ طرز استدلال، وہی و فطری اسلوب نگارش اور ابشار کے مانند نظم کے
جوش اور معلومات کے فوراً درنگتہ آفرینیوں کی کثرت کو موجودہ مذاق کے مطابق ربط و نظم میں لانا معمولی کام
نہ تھا، لیکن مترجم نے اس مرحلہ کو بڑی کامیابی سے طے کیا اور اس کتاب کو اردو میں اس طرح ڈھال دیا کہ اس نے
اس موضوع پر ایک مرتبہ و مکمل مضمون کی ایسی شکل اختیار کر لی کہ پڑھنے والے کو کوئی نشیب و فراز، اعادہ و
تکرار اور طوالت و اطناب محسوس نہیں ہوگا، اس موضوع پر غالباً اردو میں پہلی مرتبہ ایسی کتاب
آ رہی ہے جو اس مسئلہ پر قول فیصل کا اور جہاں تک مواد و معلومات اور دلائل و ثبوت کا تعلق ہے ایک مختصر
دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتی ہے۔

سنا

جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے اس پر مصنفِ علام نے اپنی عادت کے مطابق کچھ کہنے اور لکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی لیکن اتنے کہے بغیر ہی نہیں رہا جانا کہ علم جدید اور انفرادی و اجتماعی نفسیات کے مطالعہ نے اب جو چند حقیقتیں عالم آخکار کر دی ہیں اور تہذیب و معاشرہ، شاعر اور عادات و خصائص کے جن اثرات کا مکمل سلسلہ تجربہ خصوصیت کے ساتھ اس صدی کے آغاز سے ہوا ہے، اس نے اس حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ تہذیبوں اور معاشرتوں کا مسئلہ اتنا سرسری اور سطحی نہیں جتنا کچھ عرصہ قبل سمجھا جاتا رہا ہے اور یہی اس صدی کے آغاز میں مغربی تہذیب کے اختیار کرنے کی دعوت دینے والوں کا اور اس صدی کے وسط میں قوی کجی کے علم بڑاؤں نے پیش کیا اب یہ بات مسلمہ حقیقت بن گئی ہے کہ عادات و معمولات، میلانات و رجحانات قلب و دماغ میں اپنی گہری جڑیں رکھتے ہیں اور اقوام و ملل کی صورت گیری اور شخصیت سازی میں ان کا بڑا گہرا اثر ہے تہذیب، جذبات و رجحانات، پسندیدگی و ناپسندیدگی اور ذہنی رویہ کی بیرونی شکل ہوتی ہے، تہذیب کے مضمرات اور اس کے عناصر ترکیبی کو کسی خوردبین سے بھی نہیں دیکھا جاسکتا، اس کے خمیر میں شرک، جہل، ظلم، تکبر، تمیز کے رجحانات اور غفلت کے عناصر و اجزا کس تناسب سے شامل ہیں، اور وہ اس کا کیسا جزو الا نفع بن گئے ہیں، اس تہذیب کے فکری، نفسیاتی، اخلاقی، سیاسی و اقتصادی حالات میں پرورش پائی ہے، اور ارتقاء کے منازل طے کئے ہیں، اور انھوں نے اس پر اپنی کیسی گہری چھاپ اور امنٹ نقش چھوڑا ہے، اسکی تحلیل و تجزیہ کا کام فلسفہ اجتماعات کے بڑے سے بڑے عالم و مؤرخ کیلئے بھی آسان نہیں ہے، اور اس کیلئے ابھی تک کوئی کیسادی عمل قائم نہیں ہوا جہاں اسکے تجزیہ و تحقیق کا کام کامیابی کے ساتھ انجام دیا جاسکے، انہذا و قبول اور تقلید و اقتباس کا عمل جو تہذیبوں اور معاشرتوں کے میدان میں انجام پاتا ہے، ملت کی نفسیات پر کس قدر اثر انداز ہوتا ہے، اسکو اپنے اصل مقام سے کس قدر ہٹا دیتا ہے، بروا تم، طاعت و محصیت، اسلام و جاہلیت، حیا و بے حیائی، عدل و ظلم اور قناعت و اسراف کے پیمانے اس سے کس طرح بدل جاتے ہیں، اور وہ ملت اپنی ظاہری شکل اور نوعی میں سے ہٹے اندر سے کس قدر تبدیل ہو جاتی ہے اسکا صحیح اندازہ کرنا بڑے سے بڑے باریک بین رہنما اور صلہ کیلئے بھی ممکن نہیں یہ ندائے علم و خمیر ہی کی ذات ہے جو دین و شریعت اور کتب الہی کے نصوص و احکام کے ذریعہ اس ملت کی حفاظت کا انتظام کرتی ہے جسکو دنیا میں اپنی جہاد کا نہ شخصیت کے ساتھ باقی رکھنا اور اس

دعوت و رہنمائی کا کام لینا ہوتا ہے، مشابہت و تقلید کے بارے میں اسلام کی بڑھی ہوئی احتیاط اور اسلامی تعلیمات کا زیادہ مفصل معین ہونا اور ان پر شریعت اسلامی کا اصرار اس بات کا نتیجہ ہے کہ اسلام محض چند عقائد و رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ پورے مسلک زندگی کا حامل و داعی ہے، اور وہ 'صبغة الله، ومن احسن من الله صبغة' کا لہرہ لگانا ہے، اور ہر اس تہذیب و معاشرت کو جاہلیت کا نام دیتا ہے جس کا سرحدیہ حکم الہی اور ہدایت ربانی کے بجائے جو ادھوس، مصلحت و مفاد، لذت و عزت یا محض تجربہ قیاس ہے، اس نے پہلی مرتبہ اس حقیقت سے نقاب کشائی کی ہے کہ کوئی انسانی فرد جو عقائد پر زندگی نہیں گزار سکتا اور تہذیب و معاشرت کو عادات و اخلاق اور عقائد و عبادات پر اثر انداز ہونے سے روکا نہیں جاسکتا، ان دونوں کے درمیان دیوار کھڑی کرنے کی کوشش غیر فطری ہے، جو نشأت ثانیہ کے موقع پر مغربی تہذیب نے مذہب کو انسان کا پرائیویٹ معاملہ قرار دینے کی صورت میں کی، انسان کی زندگی متفرق اکائیوں کا مجموعہ نہیں جن کو جب چاہا ملا دیا، جب چاہا الگ کر دیا بلکہ وہ خود ایک اکائی ہے، اور اس اکائی کو عبودیت، اسلام، دین، اور طاعت کے کسی لفظ سے ادا کیا جاسکتا ہے، اور یہی تفسیر ہے، فرمان خداوندی یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی المسلم کافۃ ولا تتبعوا اخطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین کی۔

امید ہے کہ یہ کتاب اس اہم و نازک موقع پر جب ہندوستان کے مسلمان اپنی ملی شخصیت کی بقا اور اپنے ملی خصائص کی حفاظت کے فیصلہ کن محرک سے دوچار ہیں، اور غالباً اپنی پوری تاریخ کے جو اس ملک میں ان کے داخلہ کے وقت سے شروع ہوتی ہے، اسے نازک مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں، ایک مفید خدمت انجام دے گی، اور ان اصحاب صنمیر خدا ترس و خود شاس مسلمان مفکرین اور رہنماؤں کو جو اس ملت کو موجودہ حالات میں صحیح مشورہ دینا چاہتے ہیں، صحیح روشنی عطا کرے گی، لیہلک من ہلک عن بینۃ یوحییٰ من حی عن بینۃ۔

خدا کرے یہ توقعات پوری ہوں اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی یہ نازہ پیشکش اس اہم مقصد کو پورا کرے جو مجلس کے قیام کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ وما التوفیق

إلا من عند الله۔

۴ سوال المکرم ۱۳۹۵ھ
۲۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء

ابو الحسن علی ندوی
دارہ شاہ علم الشرع لائبریری



کتاب سے پہلے

مسئلہ شبہ اسلامی تہذیب کا ایک بنیادی عنصر ہے، کالائے الاحکام پر ایمان رکھنے والی قوم جب تہذیبی مسائل پر پہنچتی ہے تو اسے حکم ملتا ہے کہ وہ لائے الاحکام کے تقاضوں اور اس کے دور رس مطالبات کے پیش نظر ان تمام تہذیبوں سے پرہیز کرے جو اسلام سے ٹکراتی ہوں، اور لائے الاحکام کو سامنے رکھ کر ایجابی اور مثبت طور پر اس اسلامی تہذیب کو فروغ دے جسکی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔ جس حدیث میں غیر مسلموں کی مشابہت سے صراحتاً روکا گیا ہے، اس پر تمام علماء اسلام متفق ہیں، اور بہت سے علماء کی طرح شارح مشکاۃ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اس سے تہذیبی اور اخلاقی ہر قسم کی مشابہت ممنوع کی گئی ہے، اور صاحب مرقاة ملا علی قاری نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جب ظاہری مشابہت سے روک دیا گیا تو اخلاقی مشابہت تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہو گئی۔

اس سلسلہ پر محدث و میاطی کی ایک کتاب ہے، مگر وہ تقریباً نایاب ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس سلسلہ پر بالاستقلال لکھا ہے، اور اس کو اسلام کے

اصل الاصول کے طور پر پیش کیا ہے، اور اس بحث میں بھی دوسرے مباحث کی طرح انکا انداز مجتہدانہ ہے۔۔۔۔۔ غیر اسلامی تقریرات اور دوسری بدعات کا تعلق بظاہر مسئلہ تشبہ سے دور کا معلوم ہوتا ہے، لیکن اصلاً ایسا نہیں، بدعت مشابہت ہی کا ایک دوسرا رخ ہے، شیخ الاسلام کے دقیقہ رس ذہن اور گہری نگاہ نے ان دونوں کے تعلق کو دیکھ کر دونوں ہی پر مدلل بحث کی اور اس ضمن میں ان تمام... بقنوں کی نشاندہی کر دی جو اسلامی تہذیب کے لئے کسی درجہ میں خطرہ اور اس میں مداخلت بن سکتے ہیں شیخ الاسلام کے عہد تک عربی طرز تصنیف کا خاصا ارتقا ہو چکا تھا، اور وہ اپنے عہد کے ایک صاحب طرز اسلامی مصنف سمجھے جاتے ہیں، تاہم حضرت شیخ کے ہاں جب نئے مضامین اور خیالات کی آمد ہوتی ہے تو کہیں کہیں سلسلہ گفتگو باقی نہیں رہتا، اور گل افشانی گفتار کا عالم پیدا ہو جاتا ہے، مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ "ابن تیمیہ کے مباحث کا سیل جزا رکھ کر میں سم جاتا ہوں"۔۔۔۔۔ ایسے موقع پر جدید طرز تحریر کے عادی ناظرین شاید کچھ بے لطفی محسوس کریں، لیکن میں نے شیخ الاسلام ہی کی ترتیب کو باقی رکھنے کی کوشش ضروری سمجھی، شیخ نے جس طرح عالم اسلام میں کتاب و سنت کی اتباع کے لئے ذہن پیدا کیا وہ خود اس کا نمونہ بھی تھے، اور ان کے اس طرز تحریر کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں بھی انھوں نے کتاب میں ہی کا طرز اختیار کیا جو مضامین کے ظاہری تسلسل کو اتنا ضروری نہیں سمجھتا جتنا اپنے مخاطب کی ضروریات و مسائل کو۔

جہاں تک اقتضائے اصرار استقیم کی اہمیت کا مدار ہے، وہ علماء میں مسلم رہی ہے، شیخ ابو زہرہ بھی اسے اہم سمجھتے ہیں، مولانا علی میاں صاحب مدظلہ شیخ الاسلام کی

لئے حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ادو) ۱۴۷

تصنیفی خصوصیات کے بارے میں فرماتے ہیں ان کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں زندگی نظر آتی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کتابیں کسی علمی گوشہ یا الگ تھلک جزیرہ میں نہیں لکھی گئی ہیں، بلکہ عین زندگی کے میدان اور عوام کے سچ میں لکھی گئی ہیں، ان کی کتابوں سے آسانی کے ساتھ ان کے زمانے کا تعین کیا جاسکتا ہے، اور اس سوسائٹی کے ذہن و اخلاق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے ان کا مصنف متعلق تھا (نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو اقتضار الصراط المستقیم) دوسری جگہ لکھتے ہیں، ان کی متعدد تصنیفات ایسی ہیں جو ان کے مجتہدانہ فکر و نظر، ذہن رسا، اور قوت تنقید کی شاہد ہیں بلکہ ہر عہد کے دانشوروں کو جدید و صالح علمی و فکری غذا مہیا کرتی ہیں، اور ہر زمانہ کے اہل علم کو ان میں نیا مواد نئے دلائل، اور نئی تحقیقات نظر آتی ہیں، مثال کے طور پر کتاب لغوات، الرد علی المنطقیین، اقتضار الصراط المستقیم، نہ صرف اعلیٰ علمی تصنیفات اور اپنے موضوع پر کامیاب کتابیں ہیں، بلکہ اس طرح کی خیالی آفریں و خیال افروز کتابیں ہیں، جو ذہن کو سوچنے پر آمادہ کرتی ہیں، اور ان کے سامنے نئے علمی میدان اور سوچنے اور غور کرنے کے لئے نئے مسائل اور مضامین لاتی ہیں، مزید لکھتے ہیں "اقتضار الصراط المستقیم کا موضوع اگرچہ صرف یہ ہے کہ غیر مسلموں کے رسوم و شعائر نہ اختیار کئے جائیں اور ان کی مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت نہ کی جائے، مگر حسب معمول یہ کتاب بڑے نفیس مباحث و علوم پر مشتمل ہے، اور شیخ الاسلام کی بہترین تصنیفات میں شمار ہونے کے قابل ہے"۔

پروفیسر محمد یوسف کوکن مدد راسی لکھتے ہیں کہ امام موصوف نے اس کتاب میں اہل کتاب اور کفار و مشرکین کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے اور ان کے رسوم و عبادت میں

شرکت کرنے کی ممانعت پر کتاب وسنت اور اجماع سلف سے ایک بڑی تفصیلی بحث کی ہے، اس کتاب سے امام مودودی کے زمانے کے مسلمانوں کی طرز معاشرت پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے۔

حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اردو) سے ترجمہ مکمل ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ کئی سال پہلے مولوی عبدالرزاق یلمح آبادی مرحوم بھی اس کی تلخیص صراط مستقیم کے نام سے شائع کر چکے تھے، مگر وہ عرصہ ہوا کہ نایاب ہے اور شاید پاکستان ہی میں کہیں مل سکتی ہوگی اور ویسے بھی دو تلخیصوں کا ایک جیسا ہونا ضروری نہیں۔

اقتضائے الصراط المستقیم کے ترجمہ اور تلخیص کے بعد بعض مشکل لغات کی تحقیق کے سلسلہ میں مولانا عبدالعظیم صاحب بیادویؒ سے ملا تو موضوع سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کتاب کا ایک نکتہ ترجمہ کر چکے تھے۔ مجھے پہلے معلوم ہوتا تو ان کے ترجمے کو مثال کتاب کر لیتا، ابہر حال بعض الفاظ کے سلسلے میں مولانا مرحوم سے اردنی۔ دوسری بات یہ کہ اقتضائے الصراط میں کافی اختصار سے کام لیا گیا ہے، لیکن اس میں کئی آیات و احادیث ہی چھوٹی ہیں، مصنف کی کوئی اہم عبارت چھوٹے نہیں پائی ہے، اور پھر یہ کہ اس میں مسئلہ تشبہ کے علاوہ بدعت کا بھی بیان آگیا تھا، جو دراصل مشابہت ہی کی ایک شکل ہے اس لئے بھی اور کتاب کے مکمل ترجمہ کی حیثیت سے بھی ان مباحث کو بھی سمیٹ لیا گیا، اقتضائے الصراط میں تین کتاب میں بھی مترجم کی عبارتیں ہیں جو عمودین کے اندر ہیں۔

اس ترجمہ پر محمدوی مولانا ابوالحسن علی ریان صاحب ندوی مدظلہ کے گراں قدر مقدمہ کے لئے میں صمیم قلب سے ممنون ہوں اس مقدمہ کے لئے حضرت مولانا سے بڑھ کر

سے امام ابن تیمیہ ۱۲۴۰ لے انوس کو مولانا موصوف کا کتاب کی اشاعت سے پہلے جولائی میں انتقال کیا

۵

کوئی دوسرا حقدار نہ تھا، اس لئے کہ شیخ الاسلامؒ کے علوم و معارف اور ذوق و وجدان سے انھیں پوشخت ہے، وہ عالم اسلام کے چند ہی افراد کے ہاں ملتا ہے۔
قدر گوہر شاہ داندیا باند جوہری

شمس تبریز خاں

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ

۲۹ نومبر ۱۹۷۰ء

باب اول

اسلام اور مسئلہ تشبیہ

امّا بعد ازاں مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے خود سے یا کسی کے جواب میں کفار کی عیدوں کی مشابہت سے منع کیا تھا اور قدیم تاریخ و شرعی دلائل کی روشنی میں اس سے بحث کی تھی، اور غیر مسلموں کی سیرت سے اجتناب میں شریعت کی مصلحت پر لکھا تھا، اگرچہ یہ شریعت کا ایک عظیم قاعدہ اور دستور تھا اور ایک اصل جامع کا حکم رکھتا تھا، لیکن میں نے اس سلسلے میں تفصیل پسند کی تھی جو مجھے اب یاد نہیں رہی۔

پھر بعد میں مجھے علم ہوا کہ بعض لوگوں نے اسے اپنے سو روٹی عادات و رسوم کے خلاف پا کر اس پر حیرت کا اظہار کیا تھا اور اس سلسلے میں عمومی اور مطلق باتوں کا سہارا لیا، اس پر مجھ سے بعض احباب نے تقاضا کیا کہ میں اصل مسئلے پر کچھ لکھوں اس لئے کہ اس سے بڑے فائدے اور نفع کی توقع ہے، اس مشابہت نے اس حد تک وبائے عام کی شکل اختیار

کر رہے کہ لوگ دوبارہ جاہلیت کے گرفتار نظر آرہے ہیں، چنانچہ میں نے اس مسئلہ پر لکھا تاہم اگر میں اس سلسلے کے تمام دلائل اور علماء کے اقوال کا احاطہ کرتا تو گفتگو اور طویل ہو جاتی۔

مجھے ان لوگوں کی حیرت سے پہلے یہ گمان نہیں تھا کہ جو فقہ پر نظر رکھتا اور شریعت کے اشارات و مقاصد کو سمجھتا ہے اور فقہاء کے استدلال اور ان کے بیانات کو بھی جانتا ہے، اس مسئلہ میں شک کرے گا، مجھے یہ بھی شبہ نہیں تھا کہ (ایمان جس دل میں گھر کر چکا ہو اور حقیقت اسلام جس میں اتر چکی ہو اور جس کے ذہن میں یہ بات ٹیج گئی ہو کہ اسلام کے سوا خدا کو کوئی دین مطلوب نہیں) جب اس نکتہ پر متذکر کیا جائے گا تو اس سے اس کے قلب کی زندگی اور ایمان کی تازگی کا سامان نہ ہوگا، لیکن دلوں کے زنگ اور طبیعتوں کے فساد کا براہو کہ وہ حق کی معرفت اور اس کی اتباع سے ہمیشہ روکتے ہیں۔

بعثت محمدی سے پہلے دنیا کی حالت

آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت لوگ دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے، یا تو اہل کتاب تھے (جو کسی کتاب کے فسوخ یا موضوع سے کو پکڑے ہوئے یا کسی فرسودہ مذہب کے پیرو تھے) یا پھر عرب و عجم کے امی اور ناخواندہ عوام تھے، جو اپنے طور پر ستاروں، بتوں، قبروں یا بھیموں کی پوجا کر رہے تھے، لوگ علم کے نام پر جہالت اور صلاح کے عنوان سے فساد کو اپنائے ہوئے تھے، اس وقت کے ذہین لوگ بھی مذہب اور بدعت کے اس آمیزے کو سینے سے لگائے ہوئے، اور اپنے علم و عمل کا محور بنا ہوئے تھے، یا کچھ لوگ فلسفہ، طبیعیات، ریاضیات اور اخلاقی مباحث میں اپنی جان کھپا رہے تھے، لیکن اس کے نتیجہ میں مفید اور ربانی علم سے دور ہی ہوتے چلے جا رہے تھے، اور مذاہب فلسفہ کے

اختلافات کی وجہ سے حق کا شاید ہی کوئی حصہ ان کے ہاتھ آتا تھا۔
 اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبوت محمدی کی برکت سے لوگوں کی ہدایت کی
 اور بینات و ہدایات کے ذریعہ علم نافع، عمل صالح، اخلاقِ فاضلہ، اور صالح اقدار
 کا ایسا سامان ہوا کہ تمام عالم کی حکمتوں اور پسندیدہ نظریوں کو اس سے کوئی نسبت ہی نہ تھی
 پھر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اسلام ہی صراطِ مستقیم ہے اور ہر نماز میں اس پر جے
 رہنے کی دعا کی تلقین فرمائی، اور یہ بھی بتایا کہ یہ راستہ منضوب اور گمراہ قوموں کے راستے
 سے الگ ہے۔

یہود کی مغضوبیت اور نصاریٰ کی ضلالت

ان دونوں مسائل پر علمائے امت کا تقریباً اجماع ہے کہ غیر المغضوب
 علیہم ولا الضالین کے مصداق یہود و نصاریٰ ہیں، حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے
 ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بلا کسی امان کے (اس لئے کہ یہ رکوی تھے)
 حاضر ہوا۔ لوگوں نے میرا تعارف کرایا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ اپنا ہاتھ میرے
 ہاتھ میں دیدے گا۔ ختمِ مجلس پر آپ مجھے اپنے ساتھ لے کر چلنے لگے کہ ایک خانوں اور
 اس کے بچے سامنے آکر اپنی حاجت پیش کی آپ نے ان کی حاجت روائی کی اور مجھے
 دولت خانہ پر لے گئے وہاں پہنچ کر آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں اسلام سے کیا چیز
 روکتی ہے؟ کیا خدا کے سوا کوئی معبود ہے؟ میں نے کہا نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ تم
 حسد کی عظمت تسلیم کرنا نہیں چاہتے؟ میں نے کہا ایسا بھی نہیں پھر آپ نے
 فرمایا کہ یہود مغضوب اور نصاریٰ گمراہ ہیں، اس پر میں نے کہا کہ میں تو مسلم کامل ہوں،

وہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر دس بگلی ترکی طرح شگفتہ ہو گیا، (ترمذی)
 قرآن کی آیت "قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِمَّنْ ذَلِكُمْ مَثُوبَةٌ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ
 تَعْتَهُ أَتَدْرِكُهُمْ عَلَيْهِ" (۵: ۶۰) اس میں یہودی سے خطاب ہے اور ضمیر انہی
 کی طرف راجح ہے، اسی طرح "الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
 مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ" (۵۸: ۱۲) کے بارے میں مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ منافقین
 کے بارے میں ہے، جو یہودی دوستی کا دم بھرتے تھے۔

تیسری آیت میں کہا گیا ہے "صُرِّبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةُ أَيْ سَمَاتُ قَوْمِ الْأَنْجَلِ
 مِنَ اللَّهِ وَحِبْلٌ مِنَ النَّاسِ" (۱۱۲: ۳) اسی طرح آیات (۲: ۶۱، ۲: ۹۰) سے بھی
 معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدائی غضب کے شکار ہیں۔

نصاری کے بارے میں آیا کہ "وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ
 وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ" (۵: ۷۷)۔ یہودی حق سے پہلوتی
 کرنے کی وجہ سے مورد عتاب ہوئے اور نصاریٰ غلو اور فورداری سے مستحق عذاب۔

یہود کے کفر کا بڑا سبب ان کی بدعتی ہے، یعنی علم رکھتے ہوئے (اور ایک زمانہ
 میں توحید کے علمبردار ہوتے ہوئے بھی) توحید کے تقاضوں سے گریزان کے کفر کا سبب
 اور نصاریٰ کا کفر عمل بلا علم کے سبب سے ہے، اس لئے کہ عبادات اور عقائد میں انھوں نے
 وحی الہی کے بغیر من مانی کی، اسی لئے سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ علماء سوراہود کے
 مشاہد اور عابد جاہل نصاریٰ کی نظیر ہے، "انسوس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی
 ہے کہ ہم یہود و نصاریٰ کی قدم بقدم پیروی کریں گے حتیٰ کہ وہ کسی مملکت غار میں گھس گے
 تو ہم بھی ان کے پیچھے ہوں گے صحیحین میں ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے۔ لَتَتَّبِعُنَّ

سارن من كان قبلكم هذا والقذّة بالقذّة حتى لو دخلوا اجمرا ضرب
 لدخله وبع، قالوا: يا رسول الله! اليه وود النصارى، قال: فمن؟
 اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "میری
 امت روم و فارس کی اتباع کرے گی" لا تقوم الساعة حتی تأخذ امتی
 ماخذ القرون شبرا بشبر و ذرا عابذ راع فقیل یا رسول الله،
 كفارس و الروم؟ قال و من الناس الا اوثق؟ اور یہ تقلید جس
 درجہ میں ہوگی اسی کے اعتبار سے کفر و فسق اور گناہ کا حکم لگایا جائے گا، یہاں میں
 چند صورتوں کی طرف اشارہ کر دیا کہ جن میں مسلمانوں نے اہل کتاب اور عجم کی تقلید
 کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اہل کتاب کی خواہش ہے کہ ایمان کے بعد تم دوبارہ
 کفر میں آ جاؤ یہ محض حسد کی وجہ سے ہے حالانکہ حق ان پر کھل چکا ہے۔ (۱۵۹:۲) اس
 معاملے میں بعض مسلمان ایک دوسرے کے علم و عمل پر حسد کرتے ہیں، اور زوال نعمت
 چاہتے ہیں، جو یہود کی تقلید ہے۔

آیت مبارکہ ہے: "إِنَّ أَوْلَىٰ لِلَّذِينَ لَا يُحَدِّثُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ" (۲۶:۱۷)
 (یعنی اللہ مغرور اور شیخی باز کو پسند نہیں کرتا اور نہ ان لوگوں کو جو نبل کرتے بھی ہیں اور
 دوسروں کو اس کی تاکید بھی کرتے ہیں، اور اللہ کے انعام کو چھپاتے ہیں) اس میں نبل
 علمی اور مالی دونوں کی طرف اشارہ ہے، لیکن کتمان علم اور علمی نبل کے اشارات دوری
 آیتوں میں بھی ہیں، جہاں یہودیوں کی اس صفت کو بتایا گیا ہے، بااخطس ہوا

آیات ۳: ۱۸۴، ۲: ۱۵۹، ۲: ۱۴۴۔

ان آیات میں بتایا گیا کہ یہود کبھی علم کو بخل کی وجہ سے چھپاتے ہیں، کبھی حرص دینا کے تحت، اور کبھی اپنے دوسرے مصراع کے ماتحت، یہی حال ان مسلم علماء کا بھی ہوگا، جو ان مقاصد کے پیش نظر کتمانِ علم کو روا رکھتے ہیں، عبدالرحمن بن ہمدی کا کہنا تھا کہ اہل علم اپنے خلاف بھی لکھنے کی جرأت کر سکتے ہیں، لیکن اہل ہوس اپنے مفاد کے سوا کچھ نہیں لکھ سکتے۔

آیت کریمہ ہے: **وَإِذْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ إِفْرَأْ مَا أَنْزَلْنَا بِمَا أَنْزَلْنَاكَ قَالَ أَذُنٌ حَرِيصٌ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا** (۹۱:۳) (یعنی ایمان کے مطالبہ پر وہ کہتے ہیں کہ ہمارا دین کافی ہے) آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہود کبھی علم کو بخل کی وجہ سے چھپاتے ہیں اور کبھی حرص دینا سے یہودی بعثت سے پہلے نبی موعود کے منتظر تھے، مگر جب وہ ان کی قوم سے نہیں ہوا تو سرے سے اس کے منکر ہو گئے، کچھ ہی حال ہماری ملت کے تحزب، جماعتی عصبيت اور گروہ بندیوں کا ہے، علم و دین، شریعت و طریقت کے مختلف دائرے بن گئے ہیں جن میں لوگوں نے حق کو محدود و محصور سمجھ رکھا ہے، حالانکہ ہمارے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی مطاع نہیں۔

آیت شریفہ ہے **مَنْ الذِّينَ هَادُوا مِجْرَافُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِمْ** (۴۶:۳) اور **يُكْوِنُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ** (۷۳:۸) اس میں تحریف تنزیل اور تحریف تاویل دونوں کی طرف اشارہ معلوم ہوا۔

تحریف تاویلی تو اس امت میں بہرت ہوئی ہے، اور تحریف تنزیلی کی صورت

ہے کہ احادیث میں الفاظ گھٹائے بڑھائے جائیں۔ ضعیف اور منکر روایات بیان کی جائیں، یہاں تک تو یہود کے بارے میں تھا، نصاریٰ کے متعلق ارشاد ہوا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ

(۱۷۱:۲) یعنی دین میں غلو نہ کرو اور حق تعالیٰ کے بارے میں حق ہی کہو دین میں غلو کا ایک پہلو انبیاء اور اولیاء کے ساتھ غلو بھی ہے، جن میں ضدائی روح کا حلول اور اتحاد مان لیا جاتا ہے (اور احمد واحد کے درمیان سے پر وہ میم کو اٹھا دینے کی کوشش نازا کی جاتی ہے)

ارشاد ہے: اَتَّخَذُوا الْخُبَارَ هُمْ وَرَهْبَانُهُمُ آيَاتٍ لِلَّذِينَ لَا يَدْرُونَ اللَّهَ

وَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ كَذِبٌ (۳۱:۹)

یہ عیسائیوں کے بارے میں کہا گیا لیکن خود امت مسلمہ کا بھی یہ حال ہو کہ پیروں، صوفیوں اور اپنے رہنماؤں کے ماتحت ہو کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لیتے ہیں۔

ضلالت کا سبب دین میں غلو

اللہ تعالیٰ نے دین میں غلو کرنے والوں کے متعلق فرمایا: وَرَهْبَانِيَّةً اِتَّخَذُوا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَلَّا يَتَّبِعُوا رِضْوَانِ اَللّٰهِ (۲۷:۱۵۷) (انہوں نے رہبانیت تراش لی ہم نے تو ان پر خدا کی رضا طلبی فرض کی تھی) ایسے لوگوں کے دین کا حاصل خوش گلوئی اور مقامات کی آرائش کے سوا کچھ نہیں ہوتا، بدعتی صوفیہ بھی اسی کا ارتکاب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اہل باطل کی پہچان بتائی ہے کہ وہ ایک دوسرے

کی تردید کرتے ہیں، جیسے سچی اور یہودی ایک دوسرے کی تردید کرتے تھے، ویسے ہی ایسے فقہاء صوفیاء کو کچھ نہیں سمجھتے اور اس قسم کے صوفیاء فقہاء کی شریعت کو ظاہری قرار دیتے ہیں، جہاں تک روم اور ایران کی مشابہت کا خیال ہے تو یہ مسلمانوں کے قول و عمل میں جس طرح داخل ہو گئی ہے وہ ظاہر ہے۔۔۔۔۔۔ یہاں پھر سوال ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ صراط مستقیم کا تعلق قلب کے عقیدہ اور ارادہ سے اور ظاہری عبادات و عادات اور عام زندگی میں انسان کے رویے سے ہے، اور ان ظاہری و باطنی امور میں ایک ربط باہم پایا جاتا ہے، اس لئے کہ ظاہر و باطن اور قلب و ذہن کا ایک دوسرے پر اثر اور رد عمل برابر مرتب ہوتا رہتا ہے، آنحضرتؐ کی بعثت اسی لئے ہوئی کہ وہ مغضوب و ضالین کے طریقوں اور ان کی مشابہتوں سے لوگوں کو بچائیں۔۔۔۔۔۔ اس تشبہ کی خرابیوں پر لوگوں کی نگاہ عموماً نہیں جاتی عدم تشبہ میں ایک حکمت یہ ہے کہ کسی قوم سے تشبہ کے بعد اس کی خرابیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اور اس کی طرف عام میلان پیدا ہو جاتا ہے، جیسے علماء کا لباس پہننے والا اپنے میں ان کی طرف ایک میلان محسوس کرتا ہے، یا فوجی لباس کا استعمال کرنے والا فوجیوں کے اخلاق کی طرف جھکا ہوتا ہے، اور کوئی رکاوٹ ان لوگوں کو نہ ہو تو وہ مکمل مشابہت اختیار کر لیتے ہیں، دوسرے یہ کہ غیر مسلمین سے عدم مشابہت اہل حق کی طرف میلان کا باعث ہو جاتی ہے، اور جب کسی کے پاس دل زندہ ہو اور وہ اسلام کا حقیقی عرفان بھی رکھتا ہو۔۔۔۔۔۔ صرف ظاہری اور نقلیہ ہی نہ ہو۔۔۔۔۔۔ تو وہ اہل باطل سے دوری اور ان کے اخلاق سے پرہیز میں بھی بہت ثابت قدم ہوگا۔

ایک اور مصلحت یہ ہے کہ غیر مسلموں سے ظاہری مشابہت کے بعد حق و باطل کی تمیز اور قومی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے، یہ تو صرف مباح امور میں تشبہ کا حکم ہے ورنہ اگر موجبات کفر اور اعمال کفر میں مشابہت ہے تو وہ سبب کفر بھی بن سکتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: **إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِعْبًا كَسَبَتْ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَعْرَضَهُمْ إِلَىٰ آخِذِهِ ثُمَّ يَتَّبِعُهُمُ بَئِيمًا كَالْوَالِيعِ يَحُلُونَ** (۱۶۰:۶) (جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کی اور گروہوں میں بٹ گئے آپ ان کی کسی بات کے ذمہ دار نہیں ان کا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے وہ ان کے فعل کی خبر دے گا) ظاہر ہے کہ تفریق فی الدین کافرین ہی کا کام ہے جیسا کہ ارشاد ہوا: **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ** (۱۰۵:۳) آیات نمبر ۶:۹ اور ۱۴:۵، ۱۷:۵ میں بھی یہی کہا گیا۔

آیت بالا میں **كَسَبَتْ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ** کہہ کر بتا دیا گیا کہ آپ کو ان سے مکمل بائیکاٹ کرنے کا حکم ہے اور پھر آپ کے واسطے سے امت کو بھی یہی حکم ملا ہے، اس صورت حال کے پیش نظر ایک کا وصال دوسرے سے انفضال کا اور ایک کا قرب دوسرے سے بعد کا مراد ہے،

ساربت مشرقہ وسرت مغربا
وستان بین مشرق و مغرب

آیت کریمہ ہے: **إِنَّ اللَّهَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبَدُّوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوا بِمَا سَأَلْتُمْ بِهِ اللَّهَ فَيَغْفِرْ لِمَنْ يَشَاءُ وَلِيَعَذِّبَ مَنْ يَشَاءُ** **وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** **مَنْ الرُّسُولُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ**

كُلُّ اٰمَنٍ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ لَانْفِرُقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ
 وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا عَمَّا اَنْذَرَ رَبَّنَا وَاَلَيْكَ الْمَصِيرُ (۲: ۲۸۶) جو کچھ زمین
 و آسمان میں ہے خدا کا ہے، تمہارے دل میں جو ہے اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اس کا
 حساب لے سکتا ہے پھر جسے چاہے بجھدے اور جسے چاہے، عذاب دے اللہ ہر شے پر
 قادر ہے یہ رسول اپنے رب کی وحی پر ایمان لاتے ہیں، اور مومنین بھی یہ سب اللہ، ملائکہ
 اس کی کتابوں اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں (اور وہ کہتے ہیں) کہ ہم رسولوں کے
 درمیان تفریق نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ ہم سنتے اور اطاعت کرتے ہیں اور آپ کی
 مغفرت چاہتے ہیں، اور آپ ہی کی طرف جانتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت
 صحابہ فکر مند ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل
 بیٹھ کر عرض رسا ہوئے کہ حضور ہم عبادات اربعہ کی طاقت رکھتے ہیں، لیکن اس آیت
 کی تاب ہم نہیں لاسکتے، آپ نے فرمایا کہ کیا تم اہل کتاب کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ
 سمعنا و عصینا، بلکہ سمعنا و اطعنا کہو۔ پھر صحابہ نے جب سمع و طاعت کا مظاہر
 فرمایا تو اس سے آگے کی آیتیں اتریں جن میں تکلیف مالا طاق، آصا و اغلال، اور ان
 مشقوں کے ختم کر دینے کا اعلان ہوا جو اگلی امتوں میں تھیں۔

”لا رہبانیتہ فی الاسلام“ کہہ کر آپ نے اہل کتاب اور دوسرے اہل مذاہب
 کی دنیا بیزاری اور غلط دینداری کا خاتمہ کر دیا، اور ان انتہاپندیوں کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ترک دنیا اہل کتاب کے آثار میں سے ہے فذلک بقایا اہم فی
 الصوامع۔“

ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا لِلدِّينِ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاِنَّ مِنْهُمْ (۵: ۵۱) (۱) اے ایمان
یوڑاؤ نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور
تم میں سے جو ان سے دوستی کا دم بھرے گا وہ انہی میں سے ہوگا

دوسری آیت میں کہا گیا: اَلَّذِينَ تَتَوَلَّوْا فَاِنَّ مَا لَهُمْ مِمَّا كَفَرْتُمْ
مَّا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْكُمْ (۱۲: ۵۸) (۲) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو خدا کی معتبوب
قوم سے دوستی کرتے ہیں، حالانکہ نہ وہ ان میں سے ہیں نہ یہ ان میں سے
اسی مفہوم کو آیات (۲۲: ۸-۱۰، ۴۵: ۵-۵۵) میں بیان کیا گیا کہ کفر و اسلام
کی دوستی کا کوئی مطلب نہیں۔

ظاہری تشبہ کے بارے میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی قسم کی مودت و
موالات کا ذریعہ نہیں تو اس کے ترک میں کوئی مصلحت نہیں لیکن یہ بھی بہر حال ایک طرح
کا تقرب ہے، جیسا کہ عادت و طبیعت کا تقاضا ہے، اسی لئے سلف نے حکومت کے
شعبوں میں ان سے استعانت کو غلط کہا ہے، امام احمد نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے
روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے ایک نصرانی سکرٹری رکھ لیا ہے
آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ کوئی مسلمان نہیں بلاتا تھا، انھوں نے جواب دیا، اس کا دین اس کے
پاس ہے مجھے تو اس کے کام سے کام ہے۔ (لی کتا بتہ، ولہ دینہ)۔ اس پر انھوں نے
فرمایا کہ جب خدا نے ان کو ذلیل و محروم کیا ہے تو میں انھیں معزز اور مقرب نہیں بنا سکتا
* كَا كَرْمِهِمْ اِذَا هَا نَهْمُ اِدْتَهُ وَلَا اَعْنُ هُمْ اِذَا اِدْمُ اِدْتَهُ (۱) اَلَّذِينَ هَا اِذَا اِدْمُ اِدْتَهُ

لے لیکن احسان اور عام علماء اسے جائز بھی کہتے ہیں اگر وہ مستحسن نہیں مرضی لکھتے ہیں الاستعانة، ادا عمر کی بنی
الجمہاد جائز و لکھتے قال انه بمنزلة الاستعانة بالکلاب (شرح سیرت کبریٰ ۲/۲۷۲) نیز ۲/۲۷۲ پہلے سے بتا کر

صمیمین میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا: "ان اليهود والنصارى لا یصبخون فی الفوہم" یہود و نصاریٰ خضاب استعمال نہیں کرتے تم استعمال کر کے ان کی مخالفت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا مقصد یہ بھی ہے کہ دوسری شریعتوں کے مقابلے پر اپنا امتیاز قائم کرے۔

اسلام اور قدروں کا کامل تصور

(اسلام چونکہ آخری صداقت اور انسانیت کے لئے مکمل نعمت ہے اس لئے اس میں زندگی کی قدروں اور خوب و ناخوب کا تصور اور معیار بہت واضح و مکمل اور دو ٹوک ہے، وہ فلسفہ نہیں کہ چھوٹی موٹی سچائیوں کی اپیل کرے اسے انسان بنانا اور ڈھاننا ہے اس لئے وہ زندگی کے لئے بنے بنائے سلچے دیتا ہے، اسے زندگی کے قافلے کی رہنمائی کرنا ہے اس لئے راستہ کے تمام آثار چرھاؤ کو پہلے ہی بتا دیتا ہے)۔ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ اسلام جب کوئی حکم دیتا یا جہاں منع کرتا ہے تو صرف اس مخصوص و متعین امر و نہی کو نہیں سامنے رکھتا، بلکہ اس اچھائی اور برائی کے سرچشمہ اور اس کے پورے سلسلہ کو قبول یا رد کرنا چاہتا ہے۔

جیسے جب وہ کہتا ہے کہ..... "وَ احْسِنُوا اِنَّ اِلٰهَكُمْ یُحِبُّ
الْمُحْسِنِیْنَ" ۱۹۵:۲۔ اور اچھا کام کرو کہ اللہ نیکو کاروں کو
پسند کرتا ہے،۔۔۔۔۔ "یا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ" ۷:۵۷۔ اللہ رسول پر ایمان
لاؤ، یا اٰجِبُوْا اللّٰهَ رَبَّیْ حَتّٰی تَرْضَوْا" ۲:۲۰۷۔ اس خدا کو پوجو جو میرا اور تمہارا رب
ہے،۔۔۔۔۔ "یا فَعَلِیْہِ تَوَكَّلُوْا"۔ ۸۳:۱۰۔ اللہ ہی پر بھروسہ کرو، تو ان تمام

آیتوں میں تقویٰ، احسان و ایمان، عبادت و توکل کی تعلیم دی گئی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اچھائی کی کل ہی تشکیلیں ہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ اچھائیاں بھی اپنا ڈاؤرڈوسری وہ تمام اچھائیاں اور عالمی سچائیاں بھی اختیار کرو جو اسلام میں ہیں یا اسلام جن کی تردید نہیں کرتا۔

اس لئے اگر کسی متعین برائی میں کسی شخص کو مبتلا دیکھ کر اسے خوب حسد کے لئے کہا جائے اور تقویٰ کی تعلیم دی جائے تو اس کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اس برائی سے رُک جائے بلکہ اس کے ساتھ دوسری برائیوں سے گریز و پرہیز بھی اس میں شامل ہے۔ اس تہید کے بعد ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جہاں یہود و نصاریٰ، مشرکین یا دوسری قوموں سے ترک تشبہ کے لئے کسی خاص چیز کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا ہے تو اس کا مطلب اس خاص شے ہی تک محدود نہیں بلکہ اس کا کھلا مفہوم یہ ہے کہ ہر غیر اسلامی شعار اور شمارے سے بچنا اور بھاگنا اسلام کو مطلوب ہے، لکن الاعتبار لعموم اللفظ لا لخصوص الذکر، عام مفہوم کا اعتبار ہے نہ کہ مخصوص الفاظ کا۔ پھر عموم کا جو مفہوم بھی لیا جائے اس میں کلیت داخل ہے، یعنی اگر مخالفت کفار و مشرکین کا عام حکم ہے، اور ان کے تشبہ سے عام طور پر منع کیا گیا ہے تو یہ حکم صرف چند معاملات میں مخالفت، یا ترک تشبہ سے نہیں پورا ہو جائے گا بلکہ اس کے پورے تقاضوں پر عمل ضروری ہے، جیسے چند بھولوں سے گلستاں بنتا اور ڈیڑھ اینٹ سے مٹی نہیں تعمیر ہو جاتی اسی طرح اللہ کے امر و نہی کی انجام دہی صرف چند باتوں کی تعمیل کر لینے

لے انگریزی مثل ہے۔

سے نہیں ہو جاتی، بلکہ اپنے کو مکمل طور پر خدا کے حوالے کر دینے سے ہوتی ہے۔
 وہ فرماتے ہیں کہ جب شارع علیہ السلام نے ان کی مخالفت کا حکم دیا تو پھر
 نیت اور عدم نیت، شعور اور بے شعوری کا کوئی فرق نہیں رہ جاتا یعنی ہم مشرکین
 کے کسی عمل کی موافقت یہ کہہ کر نہیں جہانز کہہ سکتے کہ یہ بے اختیار یا بغیر شعوری
 عمل ہے جس میں ان کے ساتھ تشبہ کے قصد و ارادہ کا دخل نہیں، اس کی ایسی ہی
 صورت ہے جیسے مریض کو ان تمام چیزوں سے رکنا چاہئے، جو بد پرہیزی میں
 شمار ہوتی ہیں۔ خواہ ان کے استعمال میں اس کی نیک نیتی ہی کو کیوں نہ دخل ہو۔
 وہ کہتے ہیں کہ جہاں کسی وصف کے بعد فنا کو داخل کر کے کوئی حکم دیا جائے
 تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ حکم ہی علت ہے، اس لئے یہاں ان الیہود
 والنصارى لا یصیبون کہہ کر ”فخالفوہم“ کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی
 مخالفت بھی مقصود شریعت ہے، پھر اس کے ساتھ ہی اس فعل میں بھی کوئی
 زبردست خرابی ہوتی ہے جس سے روکا جانا ہے کیونکہ ظاہری مشابہت سے تو تن
 کی خرابی ہوتی ہے، مگر اس فعل کا اثر جو قلب و باطن اور من پر پڑتا ہے، وہ اس کے
 کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ ع

نیست بیماری چو بیماری دل

اسلام میں اگر ظاہری تشبہ اور کیسا نیت سے روکا گیا ہے تو یہ کوئی اندھا
 مخالفتانہ جذبہ یا بغض نلی نہیں اور نہ اس میں کسی قومی اور نسلی احساس برتری
 اور عصبیت کو دخل ہے بلکہ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ظاہری مناسبت اور
 موافقت کا اثر ظاہری تک نہیں رہتا بلکہ وہ انسان کے قلب و دل و نگاہ

تک سرایت کر جانا اور رگ و ریشہ میں پیوست ہو جانا ہے، اگر کفار و مشرکین سے ظاہری یک رنگی اور ہم آہنگی اپنی جگہ تک محدود رہتی تو شریعت میں ان کی مخالفت کی تعلیم اتنی شدت سے نہ ہوتی، بلکہ یہاں تو اس کا اٹا معاملہ ہے کہ یہ ہم نوائی جہاں ظاہر کو گندہ کرتی ہے وہیں باطن کو بھی آلودہ کر دیتی ہے اور دل کی گندگی اسلام کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی اصلاح کا مرکز دل ہی تو ہے۔

بغیر دل ہمہ نقش و نگار بے معنی
ہیں ورق کہ سیہ گشت مدعا اینجا

شیخ الاسلام نے اس مخالفت کی دوسری وجہ بتائی ہے کہ مشرکین کے ہاں یا تو وہ چیزیں ہیں جن میں کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں یا وہ باتیں ہیں جن کی اصل تو ہے مگر اس کی شکل بگڑی ہوئی ہے، اس لئے اسلام اس میں ترمیم و اضافہ کے بعد ہی رد و قبول کا کوئی اختیار دے گا، پھر دین کامل کے آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اگلی شریعتیں اور تہذیبیں ناقص تھیں یا بعد میں ان میں نقص پیدا ہو گیا اس لئے کہ اگر وہ آخری سچائی ہوتیں تو پھر نئے دین، نئی کتاب اور نئے رسول کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اسی لئے آیا تھا کہ تہذیبوں کو سہارا دے اور ان کے صالح نقوش کو ابھارے، مذاہب کی تجدید و اصلاح کرے، وقت کی مانگ اور زمانے کے تقاضے کو پورا کرے، تاریخ انسانیت کے خلا کو بھر دے، اور فکر و نظر کی خلیج کو پاٹ دے، اس حقیقت کے ماننے کے بعد یہ ماننا ضروری ہے کہ اب کسی مذہب و تہذیب میں زندہ رہنے اور زندگی کو کچھ دینے

کی صلاحیت نہیں ہے اور اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کسی مذہب میں کوئی عالمی صداقت مکمل شکل میں موجود رہ گئی ہے (و لا یتصور ان یکون شیئ من امورہم کاملاً قاطعاً)۔

کفر و شرک کی یہ مخالفت بلا وجہ نہیں ہوگی بلکہ دین و دنیا دونوں ہی کے فائدے اور نفع اس میں ہوں گے حتیٰ کہ جن دنیاوی معاملات میں ان کا پورا یقین ہے یا وہ واقعی ان کے لئے مفید ثابت ہو چکی ہیں ان کا بھی حال یہ ہے کہ وہ ہماری دنیا اور آخرت کے لئے مفید اور نقصان دہ ہو سکتی ہیں، اس لئے مخالفت بہر حال ضروری ہو جاتی ہے۔ و حتی ما ہم علیہ من اذقان امور دنیا ہم قد یکون مضراً بالآخرتنا و بما ہوا ہم منہ من امور دنیا ناہ ۵۷۔

کفر و شرک مومن کے لئے دل کی بیماری سے کم نہیں اور جب دل ہی بیمار ہو تو پھر جسم کی خیر نہیں اس لئے کہ اگر جڑ سوکھ رہی ہو تو درخت لاکھ ہرا بھرا ہو سکتا ہے کبھی نہ کبھی وہ سوکھ کر رہے گا، یہاں ابن تیمیہؒ اپنی غیر معمولی فراست و دینی بصیرت کے ماتحت ایک بات کہتے ہیں کہ تشبہ سے مخالفت کی علت و حکمت آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں، جب تک کہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور نہ کیا جائے اور اللہ کی مدد نہ ہو، یہ بات دل میں اترنے والی نہیں، بظاہر تو لوگ یہی کہیں گے کہ یہ مخالفت کا حکم اسی لئے دیا جا رہا ہے تاکہ اسلام کو زبردستی غالب کیا جائے اور سیاسی قوت و شوکت کا مظاہرہ کیا جائے، اپنی بڑائی اور برتری قائم رکھی جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبوت اور شریعت ملک و سلطنت کی انتہا ہے لیکن نبوت کی سلطانی اور حکمرانی ہی مومن کا مقصود ہوتی ہے، اسے دنیا کی عزت و حکومت

سے کوئی غرض نہیں ہوتی اسلام چند تصورات کی حکومت چاہتا ہے، خدا کی
سلطنت کو پھیلانا چاہتا ہے، نہ کہ انسانوں پر انسانوں کے اقتدار کو
ان کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنتِ اہل دل فقر ہے شاہی نہیں،

کفر کی مخالفت، اسلام کا مقصود

امام احمدؒ بھی اس گذشتہ حدیث میں کفر کی مخالفت ہی کو اسلام کا مقصود
قرار دیتے ہیں، حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ (امام احمدؒ) کو کہتے سنا کہ میں کسی
مسلمان کے سفید بال نہیں دیکھنا چاہتا، حضورؐ نے خضاب کا حکم دیتے ہوئے فرمایا
ہے کہ بالوں کو رنگ دیا کرو اور اہل کتاب کی مشابہت مت کرو اسحاق بن ابراہیم
کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ کو اپنے والد سے یہ کہتے سنا کہ ایک بار ہی سہی لیکن خضاب
کرو تا کہ یہود کی مشابہت نہ رہے، اس لفظ سے امام احمدؒ نے استدلال کیا ہے،
ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: **غیر الشیب**
ولا تشہدوا بالیہود، ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے، اور نسائی نے
حضرت زبیرؓ سے یہی روایت کی ہے اور عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی اس کی تائیدی
روایت نقل کی ہے لیکن لکھا ہے کہ حدیثیں محفوظ نہیں، دارقطنی کہتے ہیں کہ عروہ
کی یہ روایت مرسل مشہور ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اسلام کے اس مزاج TEMPERAMENT
ہی کا اظہار صفائی سے ہوا ہے، اس لئے کہ بڑھاپے اور بالوں کی سفیدی میں انسانوں کا

شداد بن اوسؓ کی روایت میں حضورؐ نے فرمایا: خالفوا اليهود فانهم لا يصلون في نعالهم ولا خفافهم“ (ابوداؤد) یعنی یہود کی مخالفت کرو وہ جوتوں اور موزوں کو پہننے ہوئے نماز نہیں پڑھتے، خیال رہے کہ یہ حکم اس خدائی حکم کے باوجود دیا جا رہا ہے، جو حضرت موسیٰؑ کو وادیٰ امین میں ملا تھا کہ جو نے اتار کر آئے ”فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ“ (۱۲:۲۰)

حضرت عمر بن العاصؓ فرماتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا: فَصَلِّ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ: اكلة السمحة“ (مسلم) یعنی اہل کتاب کے اور ہمارے روزوں میں فرق یہ ہے کہ ہم سحری کھاتے ہیں اور وہ نہیں کھاتے، اس سے معلوم ہوا کہ سحری کی تعلیم اور تاکید سے دونوں قوموں کے طرز عبادت میں فرق کرنا مقصود تھا ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں حضورؐ کا ارشاد ہے: لا يزال

الدين ظاهراً أما يحجل الناس الفطر لأن اليهود والنصارى يؤخرون“ (یعنی دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک مسلمان افطار میں جلدی کرتے رہیں گے، اس لئے کہ یہود و نصاریٰ اسے مؤخر کرتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ غلبہ دین اہل کتاب کی مخالفت ہی کے بعد حاصل ہوگا، اور جب غلبہ دین کی مخالفت سے حاصل ہوتا ہے تو انبیاءؑ بھی غلبہ دین کے لئے آتے ہیں، اس لئے ان کا مقصد بعثت بھی یہی مخالفت کھی جائے گی، ابوداؤد نے حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی

لہ لیکن اس میں ذرا تفصیل ہے کہ جو تے پاک ہونا چاہئیں پھر حکم اس وقت تھا جب سجدوں کے فرش کچے ہوتے تھے اور چٹائی، جانناز وغیرہ نہیں بچھائی جاتی تھی بعد میں صفائی کے خیال سے بغیر جوتا پہننے نماز پڑھنے کا رواج ہو گیا۔

روایت نقل کی ہے، لا تزال امتی بخیر ما لم یخروا المغرب الى ان تشتبك النجوم؛ یعنی امت اس وقت تک کامیاب رہے گی جب تک کہ وہ مغرب کی نماز میں تاخیر نہ کرے)

ابن ماجہ نے حضرت عباسؓ سے امام احمدؒ نے سائب بن یزیدؓ سے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کو یہود کی مشابہت قرار دیا ہے، اور اسی روایت میں ہے، وما لم یخروا الفجر الى محاق النجوم مضاهاة للنصرانية؛ کہ جب تک وہ فجر کو تاروں کے چھینے تک نہ مؤخر کریں ہونصاری کی مشابہت ہے۔

سعید بن منصورؒ عبدالرحمن ضابحی سے روایت کرتے ہیں، لا تزال امتی علی مسکة ما لم ينتظر واما المغرب اشتباك النجوم مضاهاة لليهودية، وما لم ينتظروا واما الفجر محاق النجوم مضاهاة للنصرانية، وما لم يكلوا الجنائز الى اهلها؛

سعید کہتے ہیں کہ بشر بن خصاصیہ کی بیوی (یہودی) کہتی ہیں کہ میں نے صوم وصال رکھنا چاہا تو بشر نے مجھے یہ کہہ کر روک دیا کہ حضور نے اسے نصاری کی مشابہت قرار دی ہے اور رات میں افطار کا حکم دیا ہے (احمد)

حضرت انسؓ کی روایت ہے، ان اليهود كانوا اذا احاضت المرأة فيهم لم يدواكلوها ولم يجامعوها في البيوت فسأل اصحاب النبي النبي فانزل الله يسئلونك عن المييض فقال اصنعوا كل شيء الا النكاح الخ یعنی یہود ماٹھ عورت کو اچھوت سمجھ کر اس کے ساتھ کھانا اور اٹھنا بیٹھنا بھی ترک کر دیتے تھے صحابہؓ نے آپ سے پوچھا تو آیت اتری، پھر آپ نے فرمایا کہ جلوع کے

سوا اور کوئی چیز منع نہیں، جب یہود کو یہ معلوم ہوا تو وہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو ہمارے مطلب کی ایک بات بھی اپنے دین میں باقی نہیں چھوڑنا، اسید بن حصیر، عباد بن بشر نے آکر حضور سے عرض کی کہ یہود تو ایسا ایسا کہتے ہیں کیا ہم عورتوں کے ساتھ بھی نہ رہیں؟ سین کر چہرہ اقدس کا رنگ غصہ سے بدل گیا یہ دیکھ کر یہ لوگ وہاں سے اٹھ آئے تو پھر حضور نے دودھ کا ہدیہ بھیجا جس سے ان کو تسلی ہوئی کہ حضور خفا نہیں ہیں (مسلم) ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ مخالفت اصل حکم اور وصف حکم دونوں میں ہوتی ہے، حالانکہ سے اجتناب کی اصل میں تو اختلاف نہیں ہاں وصف میں ہے، طہارت کے باب میں یہود کے ہاں بڑی سختی تھی، اس کے برخلاف نصاریٰ کے ہاں اتنی ڈھیل اور چھوٹ تھی کہ کوئی چیز ناپاک ہی نہیں ہوتی تھی، شریعت مطہرہ نے طہارت اور پاکیزگی کا بھی ایک درمیانی راستہ نکالا جس میں ان دونوں قوموں کی افراط و تفریط باقی نہ رہی۔

اوقات نماز میں تشبہ سے ممانعت

نماز اور عبادت کے اوقات میں مومنین اور مشرکین کا امتیاز ضروری تھا اس لئے جس طرح خدا اور العباد الطبعی حقائق کے تصور میں ان دونوں میں اختلاف ہے، اسی طرح ان کے طرز بندگی اور اظہار عبادت میں بھی تفاوت ہے ہمارے ہاں تشبیہ اپنی آخری شکل میں موجود ہے، اور دوسروں کے ہاں تشبیہ اور استعاروں کے جسم میں مقید، توجید بھی ہے تو شرک و اسحاق کا ننگ لئے ہوئے ہے

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا سجدہ
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں!

ابن تیمیہؒ عمرو بن حبیبہؒ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے، میں
جاہلیت میں بھی بت پرستی سے بیزار تھا، آنحضرتؐ کی بعثت کی خبر سن کر خدمت
بابرکت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا ابھی واپس جاؤ جب میری مشکلات کم ہو جائیں
تو آنا چنانچہ میں نے ہجرت کر کے بعد مدینہ حاضر ہو کر حضورؐ سے پوچھا آپ مجھے پہچانتے
ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں تم تو مکہ میں مجھ سے ملے تھے، پھر میں نے نماز کے اوقات
معلوم کئے تو آپؐ نے طلوع آفتاب کے وقت نماز سے روکا کہ یہ شیطان کی
کارستانیوں کا وقت ہے اور مشرکین کی پوجا بھی اسی وقت ہوتی ہے، پھر زوال
کے وقت بھی منع فرمایا کہ اس وقت جہنم دہکائی جاتی ہے، پھر غروب کے وقت
بھی آفتاب شیطان کی دو سینگوں کے درمیان ڈوبتا ہے، اور مشرکین پوجا
کرتے ہیں، اس لئے اس وقت نماز سے منع فرمایا (مسلم) ان اوقات میں نماز
سے اس لئے روکا گیا کہ لوگ کہیں غلط فہمی میں یہ نہ سمجھ سکیں کہ دونوں کا تصور
الوہیت اور طرزِ عبادت ایک ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ اگرچہ بہت سے آدمی
یہ علت نہیں جانتے لیکن پھر بھی عام طور سے ان تین وقتوں میں روک دیا گیا
تاکہ مشابہت کا جڑ سے خاتمہ ہو جائے۔

اسی مشابہت سے بچنے کے لئے آنحضرتؐ نے سترہ (لکڑی) کو بالکل سامنے
رکھنے سے منع فرمایا ہے بلکہ ذرا دائیں یا بائیں رکھنے کا حکم ہے تاکہ اس کو سجدہ
کا گمان نہ ہو اور اسی لئے کسی کی طرف رخ کر کے سجدہ سے بھی روکا گیا کہ غیر اللہ

کو سجدہ کرنے کا اندیشہ نہ پیدا ہو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے نماز میں کسی کو بائیں ہاتھ پر ٹیک لگائے دیکھا تو منع کیا کہ اس طرح معتوب لوگ بیٹھتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ یہ مفضوب لوگوں کی نماز ہے، یہ روایتیں ابوداؤد میں موجود ہیں۔

بخاری میں حضرت مسروقؓ کی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نماز میں مکر پر ہاتھ رکھنے کو ناپسند فرماتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ یہود کا فعل ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے حضورؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے (مسلم) زیاد بن صلیح کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے اپنی مکر پر ہاتھ رکھا تو آپ نے نماز بعد فرمایا کہ یہ نصاریٰ کی مشابہت ہے اور اس سے صلیب کی صورت پیدا ہوتی ہے، **هَذَا الصَّلْبُ فِي الصَّلَاةِ** وکان ینہی عنہ (احمد ابوداؤد، نسائی) حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے حضورؐ بیمار تھے اس لئے بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابو بکرؓ آپ کی تکبیر لوگوں تک پہنچا رہے تھے اور ہم لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے بیٹھ کر پڑھنے کا ارشاد فرمایا، ہم لوگ بیٹھ کر پڑھنے لگے پھر آپ نے سلام کے بعد فرمایا، تم لوگوں نے فارس اور روم کا انداز اختیار کیا تھا کہ ان کے بادشاہ بیٹھے اور وہ دبار میں کھڑے رہتے ہیں، امام جس طرح پڑھ لے تم بھی اسی طرح پڑھا کرو (مسلم، ابوداؤد) ابوداؤد کے سوا دوسری روایتوں میں ہے،

لہ احسان کے یہاں امام اگر قیام سے معذور ہو تو مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھیں گے، اس لئے کہ وہ معذور نہیں۔

ولا تعظمونی لما یعظم لآعاجم بعضہا بعضاً“ (عجمی طرز پر میری تعظیم نہ کرو)
 شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عجم کی مشابہت کے سبب قیام جیسے
 اہم رکن کو چھڑا دیا جو نماز میں فرض ہے اس سے شریعت کی روح کا اندازہ کیا جا سکتا
 ہے، حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک
 جنازہ قبر میں نہ رکھا جائے بیٹھتے نہیں تھے، ایک دفعہ ایک پادری نے آپ سے کہا
 محمد اہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں یہ سن کر آپ بیٹھ رہے اور فرمایا کہ ان کی مخالفت
 کرو، (ابوداؤد ابن ماجہ ترمذی)

جنازہ کے لئے کھڑا ہونے کی روایتیں ہیں، مگر حضرت علیؓ کی روایت میں
 اس کے برعکس بھی ہے، بخاری نے عبدالرحمن بن قاسم سے روایت کی ہے کہ قاسم
 جنازہ کے سامنے چلتے تھے، اس کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، اور حضرت عائشہ کا
 قول نقل کرتے تھے کہ قیام جاہلی دستور ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہؐ نے فرمایا: اللحد لنا والشق لغيرنا
 (ہمارے لئے لحد اور دوسروں کے لئے سیدھی قبر ہے) (سنن اربعہ)
 جریر بن عبدالشکرؓ بھی فرماتے ہیں حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا ”بغلی قبر
 ہمارے لئے اور کھلی قبر نصاریٰ کے لئے ہے“ (احمد)

جاہلیت سے ممانعت

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے:-

ليس منا من ضرب الخدود، وشق الجيوب ودعا بدعوى

الجاهلية“ (متفق علیہ) یعنی جو کسی کی موت پر اپنے پھرے پرارتا، گریبان چاکل کرتا

اور جاہلی کلمات بکتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔۔۔۔۔ ابوالک اشعریؒ کی روایت میں ہے، میری امت جاہلیت کے چار کام نہیں چھوڑ سکے گی، (۱) قومیت کا فخر، (۲) نسب میں طعنہ زنی، (۳) ستارہ سے خبر گیری، (۴) نوہ گیری۔۔۔۔۔ اور نائچہ اگر تو بہ نہیں کرتی تو وہ قیامت میں گرم تانبے کا پا جامہ اور خارش کا کرتہ پہنائی جائے گی۔ (مسلم) ایام جاہلیت میں عربی عورت آج کی فیشن ایبل اور انتہا پسند (ULTRA MODERN) خواتین ہی کی طرح آرائش جمال اور نمائشِ سن میں عربیانی کی حد تک پہنچ چکی تھی، بلکہ طواف کعبہ بھی عربیاں ہونا تھا، قرآن نے اس بڑھی ہوئی آزادی پر بریک لگائی اور مسلم خواتین کو حکم ہوا کہ نقاب و حجاب میں رہو اور جاہلیت کی روش چھوڑ دو، وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (۳۳: ۳۳)

حضرت ابو ذر نے کسی کو ماں کا طعنہ دیا تو آپ نے انہیں ڈانٹا کہ تم میں ابھی جاہلی نخوت باقی ہے (إِنَّكَ أَمْرٌ خِيَكُ الْجَاهِلِيَّةِ) اسی طرح قرآن مجید میں ہے: (أَذْجَعَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ) (۲۶: ۲۸) (جب کافر جاہلی حمیت پر اتر آئے) حمیت جاہلی میں نسب کے فخر و غرور اور ہر قسم کے آداب و رسوم سے اجتناب کی طرف اشارہ فرمادیا گیا۔

بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت ہے تین چیزیں جاہلیت کی یادگار ہیں؛ نسب میں طعنہ زنی، نوہ گیری، سفیان کہتے ہیں اور تیسری چیز نچر کا ماننا، مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ لوگوں میں دو باتیں کفر کے انداز کی ہیں، نسب میں طعن، اور مردہ پر نوہ !!

انہی کی دوسری روایت میں اس کی تشریح ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "ایک زمانہ وہ ہوگا کہ قاتل و مقتول کسی کو اپنے موقف کا پتہ نہ ہوگا بس خون کا چسکہ لگا ہوگا اور دونوں جہنمی ہوں گے، مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، انحضرتؐ الناس الى ائمة ثلاثه ملحد في الحرام و متبع في الا سلام سنة الجاهلية ومطل دم امری بغير حق لیرقی دمہ اگر تین آدمی خدا کو حد درجہ ناپسند ہیں، حرم میں فتنہ پردازی کرنے والا، اسلام میں جاہلی سنت کا احیاء کرنے والا اور ناحق خون بہانے والا (فساد دنیا میں قتل اور فساد دین میں حرم کی بے حرمتی ہے، اس لئے کہ جیسے وہاں کے عمل کا ثواب زیادہ ویسے ہی عذاب بھی کم نہیں اور صحیح مسلک یہ ہے کہ اب شہر حرام کی حرمت تو باقی نہیں مگر حرمت بلند حرام باقی ہے۔ پھر جاہلیت، حال اور صفت بھی ہے اور اسم و ذوا حال بھی یعنی اس میں دور جاہلیت اور عہد جہالت بھی اور ایام جاہلیت کی شخصیات، رسومات اور عادات بھی شامل ہیں، حاصل یہ ہے کہ ہر وہ شے جس کا کسی قسم کا تعلق جاہلیت سے ہو وہ اسلام میں ممنوع ہے (الایہ کہ اس میں جاہلیت کے معنی نہ پائے جائیں۔ جیسے فضائل اخلاق، عفت و شجاعت، کرم و سخاوت وغیرہ جاہلی دور کی چیزیں نہیں، بلکہ عالمی اقدار ہیں جنہیں اسلام نے ترقی دی، اور کماؤ اختیار کم فی الجاہلیتہ خیار کم فی الاسلام)۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جہل صرف عدم علم ہی کو نہیں کہتے بلکہ خلاف حق اور خلاف علم عمل کو بھی جہل کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

اِنَّهَا التَّوْبَةُ عَلَىٰ اٰثَمِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ السُّوْعَ بِجَهَالَتِهِمُ (الشر

ان کی توبہ قبول کرتا ہے ہونا واقفیت میں غلطی کرتے ہیں)

صحابہ کرامؓ کہا کرتے تھے کہ جو کوئی بھی برا کرتا ہے وہ جاہل ہے، اہل من
عقل سوچا فہم و جاہل، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم اس یقین کو کہتے ہیں جس سے
آدمی اپنے قول و فعل کا ایک معیار قائم کرتا ہے، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کا
مطلب یہ ہے کہ اسے حقیقی علم حاصل نہیں یا اس کی قوت ارادی کمزور ہے اور یہ
دونوں صورتیں حقیقتِ علم کے خلاف ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت چونکہ ایک غیر اخلاقی اور غیر علمی طرزِ عمل ہے
اس لئے وہ صرف ماقبل اسلام کے عرب ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ ہر مذہب و
تہذیب میں پائی جاسکتی ہے، اور ہر دور و دیار میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

ان کا کہنا ہے کہ اسلام سے پہلے جاہلیت عامہ کا وجود تھا اور دنیا جہالت کی
تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن جب بوقبیس اور فاران کی اوٹ سے صبحِ سعادت
طلوع ہوئی اور علم کا آفتاب غارِ حرا سے نکل کر چلا تو دنیا سے جہالت کا وجود
مٹ گیا، اور اعلان کر دیا گیا کہ اب دنیا میں جہالت اپنی اصل شکل میں کبھی
ظاہر نہیں ہو سکتی، کیونکہ قیامِ قیامت تک علم و حق کا ایک جانثار گروہ موجود
رہے گا، لا تنال من امتی طائفۃً ظاہرین علی الحق الی
قیام الساعة،

مغضوب قوموں کی سرزمین بھی مغضوب

[یہ سنت اللہ ہے کہ خدا کے محبوب بندوں کی ہر شے خدا کو محبوب اور مغضوب قوموں کی ہر چیز ایسے مغضوب ہوتی ہے، مسجد اقصیٰ کی زمین انبیاء کی سرزمین رہی ہے، اس لئے اسے قبلہ اولیٰ بنایا گیا اور "بَارَكْنَا حَوْلَهُ" کا خطاب دیا گیا، حضرت ابراہیمؑ کی پوری حیات بابرکات ہے، جس طرح انھیں قبول عام و بقاعے دوام کی نعمت ملی ویسے ہی ان کی ہر یاد کو یادگار بنا دیا گیا، خانہ کعبہ کو بیت مبارک کہا گیا، مکہ المکرمہ کو البلد المحرام، اور مبارک بتایا گیا، "وادی غیر ذی زرع" کو ظاہری اور باطنی دونوں طرح خیرات و برکات، فتوحات و کرامات کا گہوارہ بنا دیا گیا۔

بہار عالم حشش دل و جاں تازہ می دارد

بزرگ رباب صورت را بہ پوہ صاحب معنی را

ظاہری طور پر تو یہ کہ اس مشورہ بوم، گوگل و گلزار بنا دیا گیا طائف کو جنت نشان کر دیا گیا، نینہ طلبہ سرسبز و شاداب ہوا، زمزم کا چشمہ ریض جاری ہو گیا، اود آج زیر سرخ و سیاہ سے اسے مالامال کر ڈالا گیا، ایک بڑی نعمت حرمین شریفین پر یہ بھی رہی ہے کہ اسلام کے بعد بلکہ پہلے بھی غیر عربی قوم کا اس پر کبھی پورا تسلط نہیں ہوا اور ترکان احرار نے اس سرزمین حریت سے رشتہ جوڑا تو حکومت سے زیادہ خدمت و اطاعت کا، سلطان معظم اپنے کو خادم الحرمین ہی کہتے رہے۔
تاتاری اور صلیبی حملوں کا سیل بلاخیز بارہا عالم اسلام کے سر سے گذر گیا۔

لیکن اس مقدس اور عظیم خطہ کی طرف کسی کوتاہی کی ہمت نہیں ہوئی۔

اور باطنی انعام و اکرام کا تو اندازہ بھی دائرہ خیال سے باہر ہے، حضرت ابراہیم سے پہلے بھی یہ سرزمین انبیاء کی سرزمین اور دولت الہام و ہدایت کی امین رہی ہے، اور حضرت ابراہیم کے بعد تو خاص طور پر یہ خطہ رشد و صلاح اور خیر و فلاح کا گہوارہ، اور روشنی کا منارہ رہا ہے، آخری نبی ہمیں آئے جنہوں نے تاریخ نبوت و رسالت کی از سر نو بازیافت اور انسانیت کی متاعِ کم گشتہ کو بارہوگر دریافت کیا، آخری اور کامل دین ہمیں سے پھیلا جس نے دین و شریعت کا صحیح معیار قائم کیا، اور جس نے دین و دنیا کو ہم کر کے بیچار انسانیت کو ایک نسخہ کیمیا عطا کیا، اسی کہسار کی وادیوں میں ۲۳ سال تک وہ صحیفہ انسانیت اترتا رہا، جس نے کتب خانہ عالم کی لاج رکھ لی اور جس نے کم شدہ سچائیوں اور قدروں کا تعارف دینا سے از سر نو کرایا۔

ہمیں سے ملت مرہومہ اور امتِ وسط نے اپنی مہمات (Mission) کا آغاز کر کے بین الاقوامی انسانیت اور حریت و مساوات کا علم بلند کیا اور نوعِ انسانی کے در عظمت و قدریت کا نیا معیار قائم کر دکھایا، جو مغرب و مشرق کی قوموں کا تحفہ و مشق بنی لیکن وہ خود فتنہ روزگار کبھی نہیں بن کر رہی اور نہ اس نے انسانیت کا استحصال کیا، جو مغرب کے تسلط کے بعد اکثر اہمال اور مفلوک الحال رہی ہے لیکن اس نے دنیا کو اپنی معنوی قدروں سے ہمیشہ مالا مال اور خوش حال رکھا ہے۔

سب کا تو دما و اگر ڈالا اپنا ہی دما و اگر نہ سکے
سب چاک گریاں بل ڈالے اپنا ہی گریاں ہوں گے (عجاز)

بات یہاں سے چلی تھی کہ خدا کی نفرت و محبت بھی عمیق اور بادی ہوتی ہیں اور ان دونوں کا پیمانہ بھی خدائی صفات کے بقدر وسیع ہوتا ہے۔ [

ابن تیمیہ نے صحیحین سے ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک سفر میں حضورؐ کو اصحابؓ کے ساتھ نمود کی سرزمین حجر میں اترا پڑا چنانچہ لوگوں نے مجبوراً وہاں کے کنوؤں سے پانی پیا اور آٹا وغیرہ گوندھا حضورؐ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ جو پانی باقی ہے اسے بہا دیا جائے، اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیا جائے اور پھر انھیں دوسرے کنوؤں سے پانی بھرنے کا حکم دیا۔

اور حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حجر سے گزرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَدْخُلُوا عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْمَعْدِنِیْنَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بِاٰكِنٍ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا بِاٰكِنٍ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَیْهِمْ اِنْ یَصِیْبْکُمْ مَا اَصَابَهُمْ اِنْ مَعَزَبَ لَوْ كُوْنُوْا عَلَاتٍ سَے روتے ہوئے گزر و درت مت گزرو، اس لئے کہ ان کا عذاب تمہیں بھی گھیر سکتا ہے، ابن تیمیہؒ گذشتہ حدیث کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ وہ غزوہ تبوک سے واپسی کا موقع تھا اور تنگی کا یہ حال تھا کہ اسے غزوة العسرة کہا جاتا ہے، لیکن اس حالتِ اضطراب میں بھی انھیں اپنی رزق کفایت بھی اونٹوں کو دیدینے کا حکم ہوا۔

ایسی ہی دوسری حدیث میں ان قوموں کے ویرانوں میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا، البوداؤد نے ابوصالح غفاری کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؑ ایک بار

سے واضح ہے کہ صفاتِ باری میں غضب و محبت اور دوسرے جذبات کا بیان ہوتا ہے وہ تاثر و انفعال پر نہیں ہوتا بلکہ ان کا نشانہ بندوں کے افعال ہوتے ہیں۔ (کشم)

ابلیس سے گزرتے تو جب باہر نکل آئے تب نماز پڑھائی اور نماز کے بعد فرمایا میرے
 حبیبت نے مقبرہ میں نماز سے منع کیا ہے اور ارض بابل کی لعنت کی وجہ سے وہاں
 بھی نماز سے روکا ہے۔

امام احمد نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور ان جگہوں میں نماز کو مکروہ
 کہا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کے مفہوم کی وہ آیت
 مطابقت کرتی ہے جس میں آپ کو مسجد ضرار میں آنے سے منع کیا گیا کہ لا تقم فیہ
 ابداً (۱۰۸: ۱۹) مسجد ضرار کو جہنم اساس قرار دیا گیا تھا اسی لئے جب اسے ٹھایا گیا
 تو اس سے دھواں نکلا۔

اسی کے مقابل رحمت کے مقامات پر نماز مستحب قرار پائی جیسے مسجد ثلثہ اور
 مسجد قبا وغیرہ میں کہ وہاں ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

تشبہ کی کچھ صورتیں!

تشبہ کی بنیادی حدیث ابو داؤد نے ابن عمرؓ کی روایت سے لکھی ہے،
 "من تشبه بقوم فهو منهم" اس میں ابن ابی شیبہ، ابو نصر، حسان بن عطیہ ایسے
 مشاہیر ہیں جن کے بارے میں ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ اس سے کہیں بلند ہیں کہ انہیں
 صحیحین کے رجال کے طور پر جانا جائے۔ اس کی سند کو قوی بناتے ہوئے
 انہوں نے کہا ہے کہ اس حدیث کی رو سے کم از کم تشبہ جہرام ٹھہرتا ہے، ورنہ جلد ترین
 عمر و تو اسے کھرتے ہیں۔ من بنی بارض المشرکین و صنع ینروزہم و مہرجانہم
 و تشبہ بہم حتی یموت، حشر معہم یوم القیامۃ۔ (جو مشرکین کے درمیان

دیننا اعدان کی حیدر اور زاور دار مانا ہے اعدان کی صورت اختیار کرتے ہیں اور
 مرتا ہے تو قیامت کے دن انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اس کی تائید یہ ہے کہ
 اگر مشابہت مطلق ہو تو یہ حکم ہے یا پھر مشابہت جس درجہ کی ہوگی ویسی ہی حکم ہوگا
 پھر تشبیہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی قوم کے کسی فعل کی اس لئے متابعت
 کیا جائے کہ وہ ان کا فعل ہے یا کسی اپنے ذاتی مقصد کے لئے کسی غیر کی پیروی
 کی جائے۔ ایک صورت اور یہ ہے کہ مسلمان کا عمل غیر شعوری طور پر کسی اعد کے
 مشابہ ہو جائے تو اس مشابہت میں کلام ہے، لیکن منع اس سے بھی کیا جائے گا
 تاکہ یہ تشبیہ کا ذریعہ نہ بن جائے، اس لئے کہ حدیث میں غیر موجود سے بھی مشابہت
 سے روکا گیا جیسے اہفاء الحجیہ وغیرہ کا حکم۔

قاضی ابوالیٰ نے ابن عمر سے روایت کی ہے، "وانہ نھنی عن التشبیہ
 بالاعاجم وقال من تشبہ بقوم فھو منھم" (آپ نے عجم کی مشابہت
 سے روکا اور فرمایا جو کسی قوم جیسا بنتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے)
 محمد بن عرب کہتے ہیں امام احمد سے سندھی جوتے کے بارے میں پوچھا گیا
 تو مرد عورت دونوں کے لئے ناپسند فرماتے ہوئے کہا اگر وضو اور بیت اخلاص
 کے لئے ہو تو درست ہے۔

سعید بن عامر سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ سنۃ نبینا
 احب الینا من سنۃ باکھن" (ہمارے نبی کی سنت باکھن راجہ کی سنت
 کے مقابلے میں ہمیں زیادہ پسند ہے)
 مروزی کی روایت میں ہے کہ ان سے سندھی جوتے کے لئے پوچھا گیا تو فرمایا

میں تو اسے پہنتا نہیں (یعنی پسند نہیں کرتا) ہاں کچھ علاؤن جاست سے بچنے کے لئے ہو تو اسے جائز سمجھتا ہوں، لیکن زینت کے لئے اسے جائز نہیں کہتا، کسی دروازے پر آپ نے سندھی جوتے دیکھے تو فرمایا کہ اب ہم بھی اولادِ بلوک کی پیروی کرنے لگے، حرب کرانی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے ان مضبوط جوتوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ سندھی جوتے وضو، یا بیتِ اخلا، یا کسی ضرورت کے لئے ہوں تو جائز ہیں، ایسے ہی لکڑی کے کھڑاؤں کو آپ نے ضرورۃً جائز بتایا۔

ابن مبارک سے کرانی جوتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: یہ ہمارے سادے جوتے کیا کم ہیں؟ سعید بن عامر سے سستی جوتوں کے بارے میں معلوم کیا گیا تو فرمایا کہ نبی کی سنت، ملکِ ہند کی سنت سے زیادہ پسند ہے، اگر یہ جوتے مسجدِ نبوی میں ہوں تو انھیں مدینہ سے باہر پھینک آؤ اور یہ سعید بن عامر اس پایہ کے شخص ہیں کہ ابن تیمیہ انھیں اہل بصرہ کا علمی اور دینی امام کہتے ہیں اور امام احمد کے شیوخ میں سے ہیں، یحییٰ بن سعید القطان کی مجلس میں ان کا ذکر آیا تو فرمایا وہ ۴۰ سال سے اہل بصرہ کے شیخ ہیں، مسعود بن الفرات کہتے ہیں، میں نے بصرہ میں سعید بن عامر کا ثانی نہیں دیکھا، میمون کہتے ہیں میں نے امام احمد کو شملہ ٹھوڑی کے نیچے باندھے دیکھا وہ اس ہیئت کے علاوہ عمامہ کو مکروہ سمجھتے، اور کہتے تھے: "الحراب عدائتھا تحت اذقانھا" حسن بن محمد کی روایت میں امام احمد تالو کے نیچے عمامہ کے شملے کو ناپسند کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ایسا یہود و نصاریٰ اور مجوس کرتے ہیں، وہ اپنے عہد کے (عباسی) ظالمین کا سیاہ سرکاری لباس بھی پہننا مکروہ سمجھتے تھے، وہ نماز میں آنکھیں بند رکھنے کو یہود کا مغل قرار دیتے تھے۔

تشبہ کی چند اور احادیث

عمر بن شعیب سے ترمذی کی روایت ہے، لیس منامی تشبہً یغیرنا
 لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصارى فان تسلیم الیہود، الاشارة
 بالاصابع وتسلیم النصارى، الاشارة بالاکف (جو خیروں کی مشابہت
 اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہود و نصاریٰ سے مشابہت نہ کرو یہود
 کا سلام انگلیوں کے اشارے سے اور نصاریٰ کا ہاتھ کے اشارے سے ہوتا ہے)
 ابن تیمیہ کہتے ہیں اس کی سند میں ابن اسمیعیہ ہیں لیکن امام احمد وغیرہ انہیں قابل
 اعتماد سمجھتے ہیں، ابو داؤد میں رکائتہ کی حدیث میں ہے مشرکین اور ہمارے درمیان
 فرق ٹوپی پر عامہ باندھنے میں ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں جب حضورؐ نے عاشورہ کا روزہ رکھا تو لوگوں نے کہا کہ
 اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بھی بڑا سمجھتے ہیں، آپ نے فرمایا، آئندہ سال زویں کو بھی
 روزہ رکھیں گے (مسلم) امام احمد نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، صوموا یوم
 عاشوراء وخالفوا فی الیہود و صوموا یوماً قبلہ ویوماً بعدہ۔ عاشورا
 کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت ایک دن آگے اور پچھے مزید روزہ رکھ کر کرو۔ بخاری و
 مسلم میں حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے، انا امة لا نکتب ولا نحسب الشہر هكذا وهكذا

لہ ہاتھ جوڑ کر سلام کرنے کا جو طریقہ ہندوستان میں رائج ہو رہا ہے، وہ بھی اسی حکم میں داخل
 ہے۔ مترجم نے یہ حکم اس دور کا اور دور کے عام آدمی کے لئے تھا اس سے حساب کتاب
 کا مخالفت سے کوئی تعلق نہیں۔ مترجم

(۴م امی امت ہیں، حساب کتاب نہیں جانتے مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ کا) اس حدیث میں آپ نے حساب کتاب کو دوسری قوموں کا شعار قرار دیا اور اپنے اوقات کا مدار رویت پر رکھا، اسی لئے دوسری حدیث میں فرمایا: ”صوموا من الوضوح لرویتکم واطعموا الرقیقین“ دوسری روایت میں ہے ”صوموا من الوضوح الی الوضوح“ چاند چاند تک روزہ رکھو۔۔۔۔۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں علماء کا اس پر اجماع ہے کہ عجمی تصور کے خلاف مسلمانوں کے اوقات کا تعیین رویت اور مشاہدہ سے ہے، (حدیث کا منشا حساب کتاب کی مخالفت نہیں، اس لئے کہ قرض وغیرہ کا حساب لکھنے کی تاکید تو خود قرآن میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اس لئے اس میں دقیق حسابات اور فلکیات و ریاضیات پر اعتماد ختم کرنے کی کوشش کی گئی، اور شریعت میں عوام کی خاصی رعایت رکھی گئی۔۔۔۔۔ تاکہ قیاس اور اندازہ سے الگ رہ کر رویت و مشاہدہ پر اعتماد کیا جائے، چاند کی رویت پر حساب رکھنے میں جو فائدے ہیں، اس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے ابن عابدین نے رد المحتار میں علامہ ابن دقیق العید کا قول اس باب میں نقل کیا ہے۔ مترجم)۔ صحیحین میں حمید بن عبدالرحمن بن عوف کی روایت ہے کہ میں نے حضرت معاویہؓ کو منبر پر ہاتھ میں بال لئے ہوئے دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں، میں نے حضورؐ کو اس سے منع فرماتے اور کہتے سنا ہے کہ نبی اسرائیل اسی لئے ہلاک ہوئے کہ ان کی عورتوں نے مصنوعی بال استعمال کرنا شروع کئے تھے، حمید بن سیدب نے بھی حضرت معاویہؓ سے دوسرے الفاظ میں روایت کی ہے۔

ابن عمرؓ کی حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب کسی کے پاس ایک ہی کپڑا ہو تو اسے ازار بنا کر نماز پڑھے دونوں حصوں کو چادر کی طرح نہ بناے کہ یہ یہود کا شیوہ ہے۔ (البوداؤد)

زندہ خشک رہبائیت ہے

[اسلام عدل و اعتدال کا مذہب ہے گزشتہ مذاہب میں یہودیت، افراط اور عیسائیت، تفریط کی طرف، اٹل تھی ہندو مذہب میں بھی انسان کو ہر لباس میں 'سنگ و جود' مانا گیا اور بدھ مت میں بھی زندگی سے کوئی خاص اعتنا نہیں کیا گیا، اور موت کو غم ہستی کا علاج کہا گیا، غرض کوئی مذہب نہیں جس نے زندگی کو اس کا حق دیا ہو مگر آخرت کی حق تکلفی نہ کی ہو، یا دین کے لئے ترک دنیا کی تعلیم نہ دی ہو عبادت کا کمال، اور ریاضت کی مسراج یہی سمجھی گئی کہ جسم کی ہر طرح نفی کی جائے اسے ہر لذت سے محروم رکھا جائے، اور اسکا جائز حق بھی نہ دیا جائے، اس لئے کہ جسم و روح کا اجتماع محال ہے، ایک کی زندگی دوسرے کی موت اور ایک کی ناکامی دوسرے کی کامرانی ہے، یہودیت و عیسائیت، اور ہندو مت میں جس طرح سے جسم کو عذاب میں ہلکان کیا گیا اور اس سے نروان اور نجات کی توقع کی گئی وہ انسانی انتہا پسندیوں کا افسوسناک باب ہے، اسلام نے بھی عبادت، ریاضت، پندور دیا، لیکن وہیں تک جہاں تک کہ تزکیہ نفس، اصلاح باطن، اور قلب و روح کے لئے اس کی ضرورت تھی، اسلام میں جسم و روح، قلب و قالب، اور نفس و بدن میں تضاد و نہیں سمجھا گیا، بلکہ جسم کو روح کے تابع اور ماتحت بنا کر

لسے روح کا ضخیمہ تکملہ اور اس کا آلہ بنا دیا گیا۔

جہاں جسم کے جائز مطالبات و حقوق کی پامالی ہوئی وہاں اسلام نے روک لگادی، اسلام زندگی کا مذہب ہے وہ ایک طرز حیات ہے، اس لئے اس نے جسم کی حق تلفی کو کبھی مقصد نہیں بنایا، بلکہ اس کی پرورش و پرداخت، حفاظت و نگہداشت کی ترغیب دی اور اس کے لئے ابھارا، قرآن کی تعلیم کہ اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یا یہ کہ، کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو، یا نکاح کو مودت و رحمت، اور سکون و سکینت کہنایا جانوروں تک کے جسم میں کاٹ چھانٹ کو خدائی تخلیق میں دخل انداز می قرار دینا یا احادیث میں مثلہ سے منع کرنا، مصنوعی بالوں کا استعمال، عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے تشبہ، عورتوں کا گودنا گدانا، پھرے کی آرائش کے لئے خال و خط بنانا، حسن کے لئے دانتوں کے بیچ میں فصل ڈالنا، مردوں کا گیسو سنوارنا اور سر کے کچھلے بال کتر واکر باری بنانا، ساڑھوں کو داغ کر چھوڑنا، یا آگ سے داغنے سے روکنا یہ سب اسی لئے ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل میں تبدیلی آتی ہے اور خود حیوانی یا انسانی جسم کی توہین ہوتی ہے، حدیث میں صاف صاف تعلیم دی گئی کہ انسان کا جسم بھی اس کی روح کی طرح اس کے ہاتھوں میں خدا کی امانت، اس کی حفاظت کرنا اور اس کا حق ادا کرنا بھی عبادت ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہارے بدن کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، خسی ہونے سے روکنا، اور زہبانیت سے منع کرنا نفس و زندگی کی حفاظت ہی کے لئے ہے۔ ————— مترجم]

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ایمان بالرسول کا مطلب یہی ہے کہ آدمی عادت

اور عبادت میں غلو سے کام نہ لے گا اور اپنی باگ شریعت کے ہاتھوں میں دیدے گا،
ابوداؤد نے حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے حضورؐ نے فرمایا، لا تشددوا علی
انفکم فیئسد علیکم فان قومًا شددوا علی انفسہم فتشدد اللہ
علیہم فتلک بقایا ہم فی الصوامع والدیارات رُهبانیتے ابتد عوہما
ما کتبناہا علیہم (اپنے پر سختی نہ کرو کہ تم پر سختی کی جائے ایک قوم نے ایسا کیا تو
اللہ نے بھی ان کے ساتھ سختی کی اور گروہوں، کلیساں میں انہی کے جانشین ہیں) سہل او
ان کے والد ابوامامہؓ نے حضرت انسؓ کو بہت ہلکی نماز پڑھنے دیکھا تو حیرت سے
ان سے پوچھا آپ نے مسافر کی یا نفل نماز تو نہیں پڑھی، انہوں نے فرمایا نہیں،
یہ فرض نماز تھی حضورؐ بھی ایسی ہی پڑھتے تھے اور پھر آپ نے مذکورہ بالا حدیث نقل کی
صحیحین میں انہی کی روایت ہے، کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجز
الصلوۃ ویکملہا (حضورؐ مختصر لیکن جن و کمال کے ساتھ نماز پڑھتے تھے) نیز صحیحین
میں حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے، ما صلیت وراء امام قطنخف صلوة
ولا اتم من صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (میں نے آنحضرتؐ کے سوا
کسی امام کے پیچھے اتنی ہلکی لیکن بشرائط و آداب کی جامع نماز نہیں پڑھی) بخاری
کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضورؐ اگر بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس کی
مال کے خیال سے نماز اور مختصر فرمادیتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جیسے دوسرے
کاموں کے خیال اور ضروریات کی رعایت سے نماز میں تخفیف کی جانا چاہئے
اور ایسا کرنا اچھا ہے، خوارج کے بارے میں حضورؐ نے پیشگوئی کی تھی کہ ان کی نمازیں
ریا کاری کے سبب اتنی طویل ہوں گی کہ لوگ اپنی عبادت کو ان کے مقابلے پر حقیر

سمجھیں گے۔

حضرت علیؑ نے جب بصرے میں نماز پڑھی تو عمران بن حصینؓ نے فرمایا، اس نماز نے مجھے حضورؐ کی نماز کی یاد تازہ کر دی، وہ قیام وقعود مختصر لیکن رکوع وسجود طویل کرتے تھے، ابوداؤد نسائی میں سعید بن جبیرؓ کا قول ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے تھے، آنحضرتؐ جیسی نماز اس جوان (عمر بن عبدالعزیزؓ) کے سوا کسی امام کے سچھے پڑھنے میں نہیں آئی۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ فجر میں عموماً ۶۰ سے ۱۰ آیتوں تک پڑھتے تھے، اس لئے اس کی تاویل یہ ہے کہ اگر نمازی فارغ معلوم ہوتے یا قرأت میں راعب ہوتے تو آپ طول فرماتے ورنہ اختصار فرماتے تھے شیخ الاسلامؒ یہاں ایک دقیق نکتہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز میں طول و اختصار بھی عین پر مبنی نہیں ورنہ ہر عصر و مصر اور ہر محلے کی مسجد کا عرف الگ ہوتا عرف کا اعتبار عادت میں ہوتا ہے، عبادات میں نہیں، اسی لئے آنحضرتؐ نے تخفیف و اتمام دونوں کے حدود بتلا دئے اور فرمایا، **انما فعلت هذا لتأتمروا لی ولتعلموا واصلاتی** میں نے ایسا اس لئے کیا کہ تم میری اتباع کرو اور میری نماز جان لو۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ نفس پر بے جا سختی کی وجہ سے شریعت اور تقدیر دونوں میں اللہ تعالیٰ سختی فرماتے ہیں، بشرعاً اس طور پر کہ آنحضرتؐ سخت ایجاب و تحریم سے ڈرنے رہتے تھے، جیسے تراویح کی فرضیت (سواک کی فرضیت) اور پڑوسی کو شامل میراث کرنے کی فرضیت وغیرہ) اور تقدیری طور پر یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو اس کی سختی کی وجہ سے عاجز بنا دیتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ شریعت تو سہولت کے لئے ہے نہ کہ مصیبت کے لئے **وَيُضِغُ عَنْهُمْ رُهُمْ**

وَالْأَعْلَالِ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۱۵۷)

اسلام میں ترکِ نیا نہیں

[دنیا میں جو سب سے بڑا جھوٹ بولا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام دنیا سے گریزاں اور ترکِ دنیا کا حامی ہے حالانکہ اسلامی تعلیم کا مطلب صرف اتنا ہے کہ دنیا کو مقصود نہ بنایا جائے بلکہ اسے وسیلہ قرار دیا جائے ایک بڑے اور آخری مقصد کے لئے، دنیا زندگی کی وہ ناگزیر راہ ہے جس پر چل کر ہی منزلِ آخر تک رسائی ممکن ہے، دنیا کھیتی ہے اور آخرت کی جزا و سزا اس کا حاصل! اس لئے مومن کو پیش نظر صورت نہیں، حقیقت کو رکھنا چاہئے، دل بیار دست بہ کار، رومیؒ کہتے ہیں دنیا خدا سے غافل ہونا ہے، قماش و معاش، اور تعلق فرزند و زن نہیں۔ خدا کی راہ میں دنیا اگر حاصل نہیں تو وہ عین دین ہے، حضورؐ نے فرمایا ”جو بیوی تمہارے تقویٰ کے لئے مددگار ہو وہ دنیا سے نہیں“۔ آخری بات یہ کہ اسلام کی تعلیم ترکِ دنیا کی نہیں بلکہ اسی ترک کے ترک کی ہے، تصوف میں جس ترک و توکل اور تجرد کی تعلیم ہے جس کے ترجمان نے کہا ہے،

ترکِ نیا ترکِ حقیقی، ترکِ سر در طریقِ عشقِ اولِ منزل است

اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ دل کا تعلق، اسوا اللہ اور غیر اللہ سے قائم رکھنے کا جو از نہیں مترجم صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ۳ آدمیوں نے ازواجِ نبیؐ سے ان کی عبادت کا حال سن کر یہ عہد کیا کہ ان میں سے ایک ہمیشہ روزے رکھے گا، دوسرے نے کہا میں نماز ہی پڑھتا رہوں گا، تیسرے نے کہا میں

کبھی نکاح نہیں کروں گا، آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان سے کہا کیا تم نے ایسا ایسا کہا ہے؟ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں اور خدا سے ڈرتا ہوں لیکن روزہ کے ساتھ افطار بھی کرتا ہوں، نمازوں کے ساتھ آرام بھی کرتا ہوں اور نکاح بیاہ بھی۔ جو میری سنت چھوڑتا ہے وہ مجھ سے نہیں (مسلم) ایسے ہی کچھ لوگوں نے ازواج سے آنحضرتؐ کے مبارک احوال سن کر عہد کیا کہ گوشت نہیں کھائیں گے بعض نے کہا، بستر پر نہیں سوئیں گے، آپ کو علم ہوا تو آپ نے وہی جملے ارشاد فرمائے۔

ابوداؤد میں ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ ایک صاحب نے آپ سے حیات کی اجازت چاہی تو فرمایا، میری امت کی سیروسیاحت اللہ کے راستے میں جہاد ہے دوسری حدیث میں کہا گیا، "ان السیاحۃ: ہی الصیام"، کسی میں کہا گیا، "روزہ وا ہی سائیلین ہیں"۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں سیاحت کے معنی بے مقصد لغت فریح اور سفر کے ہیں جو اس امت کے شایانِ شان نہیں اسی لئے امام احمدؒ نے فرمایا، "لیست السیاحۃ من الاسلام فی شیع" (سیاحت کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں، اور نہ نبیوں اور صالح بندوں کا یہ شیوہ)۔

قرآن میں سیر فی الارض کی تعلیم عبرت و بصیرت کے لئے آئی ہے، اس لئے بے مقصد سیاحت گویا یہود و نصاریٰ اور دوسری قوموں کا وطیرہ ہے [شیخ الاسلامؒ] یہ بات آج سے سات سو سال پہلے لکھی ہے، مگر آج تو مغرب کا یہ بے مقصد سفر TOURISM کی ایک منتقل اصطلاح بن گیا ہے، اور مغرب کے زیر اثر مشرقی ملکوں

میں بھی محض آمدنی اور سیر و تفریح کے لئے محکمہ سیاحت قائم ہے، مغرب نے علم و ادب، تہذیب و ثقافت، صنعت و حرفت، زندگی کے ہر گوشے میں بے مقصد پیدا کی خصوصاً سیاسی اور فلسفیانہ سطح پر یہودیوں نے جو فوضویت اور انارکی اور انتشار پھیلا یا ہے، وہ تاریخ کا عجزتناک باب ہے، FREE MASON کی تحریک عالمی سیاسیات میں بے مقصدیت اور تعطل ہی پیدا کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی، ادب برائے ادب کی مغربی تحریک نے بھی ہر زبان کو بے مقصدیت کا شکار بنا کر رکھ دیا اور ژاں پال سارتر کی وجودیت اور عصر حاضر کی تجدیدیت نے بھی بے مقصدیت کو اپنا بڑا مقصد بنا لیا ہے۔ — مترجم [

غلو فی الدین کی بدعت

[دیہاتی مثل ہے کہ زیادہ مٹھاس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں، ایسے ہی ہر چیز میں افراط اس کی افادیت ختم کر دیتی ہے، اسلام جو اعتدال (وسط و نصفیت) کا مذہب ہے، اور جو اسی مقصد کے لئے وجود میں آیا تھا تاکہ دنیا میں پھیلی ہوئی افراط فری دور کرے اس نے شروع ہی سے اس نکتہ پر دھیان دیا، حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جھک کر چل رہا ہے، لوگوں نے کہا کہ یہ تو اعضا ایسا کرتا ہے تو حضرت عمرؓ نے درے سے اس کی خبر لی اور فرمایا سیدھی طرح چلو کہ تقویٰ اس کا نام نہیں، نمازیں کوئی خشوع خضوع کے لئے سر جھکا کرے کھڑا ہوتا ہے، تو فقہاء نے اسے کدوہ کہا ہے، اسی طرح سفر میں روزے اور نمازیں قصر کی سہولت سے فائدہ نہ اٹھانا بھی دین میں غلو ہے، یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ غلو دین کے ہر مسئلے میں

پایا جاسکتا ہے۔ مترجم [آنحضرت نے فرمایا: ایاکم والخلوفی الدین فاما اھلک من کان قبلکم والخلوفی الدین؟ (احمد نسائی ابن ماجہ) (خلوفی الدین سے پوچھو اس لئے کہ اسی نے اگلی امتوں کو ہلاک کیا تھا) ابن تیمیہ فرماتے ہیں: غلو اعتقادات و اعمال سب میں پایا جاسکتا ہے اور اس معاملہ میں نصاریٰ سب سے بڑھے ہوئے ہیں، اس لئے قرآن نے انہی کو مخاطب کیا: يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (۴: ۱۷۱) (اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو) مذکورہ بالا حدیثی جملے آپ نے اس وقت فرمائے جب آپ نے حجرہ عقبہ کے وقت کنکریاں ہاتھ میں لے رکھی تھیں اور فرار رہے تھے۔ امثال هؤلاء فارموا۔ یعنی ان جیسی چھوٹی کنکریوں سے شیطان کو مارو۔ آپ کا اندیشہ صحیح تھا بعد میں لوگوں نے حجرات پر بڑے تیچروں، جوتوں اور چھڑیوں سے بارنا شروع کیا، آج کل موسم حج میں شیطان پر اس غصہ کے مظاہر دیکھے جاسکتے ہیں۔

حدود و تعزیرات میں مشابہت

اہل کتاب یا غیر مسلمین سے مشابہت کا ایک رُخ یہ بھی ہے کہ سزائوں میں اور قانون کی نگاہ میں بھی امیر و غریب کا فرق کیا جائے اور غریبوں کو انصاف نہ مل سکے صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب ایک مخزومی عورت کی چوری پر حضرت اسامہؓ نے آنحضرت سے سفارش کی تو آپ نے نہایت پُر جلال انداز میں فرمایا: یا اسامہ اتشفع فی حد من حدود اللہ تعالیٰ؟ انما اھلک بنو اسرائیل انھم کانوا اذا سرق فھم

لہ حضرت ابن عمرؓ دعائیں غلو بھی ناپسند فرماتے تھے اسی سے دوسری عبادات میں بھی غلو کا قیاس کیا جاسکتا

ہے جو دین کے نام پر دنیا کے جائز مشاغل سے انسان کو غافل بنا دے مترجم۔

الشریف تزکوا، واذ اسرق فہم الضعیف اقاموا علیہ الحد والذنی فی سبیلہ
 لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعتم یدہا“ (اسامہ اتم حد وراثت کے
 بارے میں بھی سفارش کرتے ہو بنی اسرائیل اسی لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا کوئی
 شریف چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن ضعیف پر حد قائم کرتے، اس ذات کی قسم
 جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ
 کاٹتا)۔ صحیحین میں برابر بن عازب کی روایت ہے کہ آپ نے ایک سزا یافتہ یہودی
 کو دیکھا تو یہودیوں کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم زانی کی حد اپنی کتاب میں پاتے ہو؟ انھوں نے
 اثبات میں جواب دیا تو آپ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر قسم دی کہ کیا یہ سزا وراثت میں
 ہے؟ اس نے کہا آپ نے قسم دی ہے، اس لئے کہتا ہوں کہ زنا کی سزا ہمارے ہاں ہے
 لیکن جب وہ ہمارے اشراف کے طبقہ میں پھیل گیا تو ہم نے ان کی رعایت میں اسپر
 حلد رآد ختم کر دیا، البتہ ضعیف پر اسے جاری رکھا، اور پھر داغنے اور کوڑا مارنے کا
 حکم بنا ڈالا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اے خدا میں پہلا شخص ہوں جو تیری مردہ سنت
 کو زندہ کرتا ہے، اس کے بعد آپ نے حد جاری فرمائی۔

مزاروں پر حاضری میں مشابہت

مسلم میں جناب بن عبد اللہ اجملی کی روایت ہے میں نے حضور کے وصال سے
 پہلے ۵ چیزیں سنی ہیں ایک یہ کہ میں برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو دوست بناؤں
 کیونکہ اللہ نے مجھے اپنی دوستی سے نوازا ہے جیسا کہ ابراہیم خلیل کو شرف بخشا تھا، اگر میں
 دوست بناتا تو ابو بکر کو دوست بناتا، تم سے پہلی امتیں نبیا اور صالحین کی قبروں کو درگاہ

اور مسجد بنالیدی تھیں تم ایسا نہ کرنا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہود و نصاریٰ کے اس عمل پر لعنت فرمائی۔ قاتل اعداء الیہود والنصارى اتخذوا قبورا بنیاءم مساجد، مسلم میں لعن اعداء الیہود والنصارى کے الفاظ ہیں، صحیحین میں حضرت عائشہؓ و ابن عباسؓ کی روایت میں بھی یہی کہا گیا اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ جیسوڑ سے حبشہ کے ایک گرجا ماریہ کا ذکر کرتی تھیں کہ اس میں نصاب تھیں، آپ نے سن کر فرمایا کہ جب ان کا کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو وہ اس پر گرجا تعمیر کرتے ہیں، اور اس میں تصویریں بناتے ہیں یہ خدا کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

ابوعلیٰ موصلی کہتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مرقد نبویؐ کی جالی پر پابندی سے حاضر ہو کر دعا مانگتا تھا تو اسے آپ نے منع کیا اور یہ حدیث سنائی کہ میری قبر کو زیارت گاہ مت بنانا، تمہارا اسلام مجھے ہر جگہ سے کیسا پہنچتا ہے (فان تسلمکم ببغضی اینما کنتم) اسی لئے امام احمد اور امام مالک کا مسلک ہے کہ سلام مسجد نبویؐ میں داخل ہونے ہی کرے، اور دعا کے وقت قبلہ رخ ہو جائے۔

مشابہت کے چند اور پہلو

آنحضرتؐ نے یوم عرفہ کے خطبے میں صاف صاف اعلان فرمایا کہ اسلام اور جاہلیت کسی نقطے پر متفق نہیں ہو سکتے۔ کل شیء من امر الجاہلیۃ تحت قدمی موضوع؛ (جاہلیت کی ہر بات میرے قدموں تلے پامال ہوتی ہے) البوداؤد نسائی، ابن ماجہ میں البوریحانہؓ کی روایت ہے کہ حضور نے دس چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

دانتوں کو مصنوعی طور پر تیز کرنے سے، گودنے سے، بال اکھاڑنے سے، اور مرد کو مرد کے ساتھ، اور عورت کو عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں سونے سے، اور ریشمی لباس سے (مردوں کے لئے) مونڈھوں پر ریشم کے استعمال سے، لوٹ کے بال سے، اور چپتے کی کھال کے استعمال اور اس پر بیٹھنے سے اور (سونے کی) انگوٹھی پہننے سے۔

ابوداؤد میں عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں نہ سونہ رنگ استعمال کرتا ہوں، اور نہ زرد کپڑے پہنتا ہوں، اور نہ گریبان میں ریشم لگا ہوا کرتا پہنتا ہوں۔ صحیحین میں رافع بن خدیجؓ کی روایت ہے کہ صحابہؓ نے شکار کو ذبح کرنے کے لئے بانس کو استعمال کرنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا جس کے خون بہہ جائے اور جس پر خدا کا نام لیا جائے اسے کھا سکتے ہو، دانت سے ذبح مناسب نہیں۔ اور نہ ناخن سے اس لئے کہ حیثیوں کا طریقہ ہے، ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اس میں گلا گھٹنے کا خطرہ ہے اس لئے فقہاء سے منع کرتے ہیں، ہاں ہڈی اور ناخن اگر جسم سے الگ ہوں تو استعمال کی گنجائش ہے، لیکن جہورائے ناجائز ہی کہتے ہیں۔

اذان و عبادت میں مشابہت کے ممانعت

[اہل نظر جانتے ہیں کہ اسلام کا طرزِ عبادت تمام مذاہب کے طریقِ عبادت سے مختلف اور ممتاز ہے اس میں جو عبادت و انابت، جو سنجیدگی اور برگزیدگی، اور جو روحانی بلندی ہے وہ کہیں نہیں ملتی، اسی طرح اسلام کی "اذان" بھی منگدہ عالم میں اعلانِ توحید اور اظہارِ حق کی بلند ترین شکل ہے، کوئی اذان کے لئے گھنٹی بجانا ہے کوئی ناقوس اور ناقائے کا سہارا لیتا ہے، کوئی سگ بھونکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ

یہ سب طریقے اذان کی عظمت و رفعت کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔ اذان میں جس بلند آہنگی، صراحت و وضاحت اور قوت و شوکت کے ساتھ توجید و رسالت کا کلمہ حق بلند کیا جاتا اور خدایاں باطل گارڈ کیا جاتا ہے اس کی تاریخ مذاہب میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اذان، اسلامی عبادات اور تعلیمات کا رمز اعظم، اور علامتی روح ہے۔ جی علی الفلاح کا لفظ بتاتا ہے کہ امت مسلمہ کا نصب العین عبدیت و عبادت میں منحصر ہے، اور وہ صلاح و فلاح کا حاصل، خدا سے تعلق، اور دین و دنیا کے صحیح امتزاج کو سمجھتی ہے یہ جملہ ایک اعلان ہے کہ یہ امت فلاح و کامیابی کا کبھی نہیں کھتی ہے، اقبال نے اذان کے امکانات کو خوب سمجھا تھا جب کہا تھا ہے

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا

وہ سحر جس سے لڑتا ہے شہستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سپیدا

اقبال نے ایک نظم میں چاند ستاروں اور دوسرے اجرام فلکی کو انسانی امکانات پر گفتگو کرتے دکھایا ہے، اور اس گفتگو کے آخر میں یہ معنی خیز شعر لکھا ہے

ناگاہ فضا بانگ اذان سے ہوئی ابریز

وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دل کہ سارا

اذان کی اس اہمیت کے پیش نظر آنحضرت نے اس میں بھی تشبیہ کا کوئی تشابہ باقی نہیں چھوڑا، ابوداؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نماز کے لئے حضورؐ کو فکر ہوئی کہ کیسے لوگوں کو جمع کیا جائے چنانچہ بعض لوگوں نے نماز کے وقت ایک جھنڈا ہلنے کا خیال

لے اذان اور نماز پر حکیمانہ کام کے لئے دیکھے مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کی کتاب

”الارکان الاربعۃ“ اور ابید۔

ظاہر کیا، لیکن آپ کو یہ پسند نہیں آیا، پھر کچھ لوگوں نے یہودیوں کے منگھ اور قرنا کا ذکر کیا تو آپ نے ناپسند فرمایا کہ یہ تو یہودیوں کا عمل ہے، اسی طرح ناقوس کے ذکر پر اسے نصاب کا کی چیز قرار دے کر ناپسند کیا، اس کے بعد عبداللہ بن زیدؓ نے خواب میں اذان کی آواز سنی اور صبح کو آکر حضورؐ سے عرض کیا کہ نیند اور بیداری کے درمیان ایک شخص نے مجھے اذان کی تعلیم دی، اتفاق سے حضرت عمرؓ بھی اسی دن پہلے یہ خواب دیکھ چکے تھے، حضورؐ کو جب علم ہوا تو آپ نے پوچھا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا تھا؟ آپ نے عرض کیا کہ عبداللہ نے پہلے بتایا اس لئے مجھے شرم آئی، پھر آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا جیسا عبداللہ بتائیں اسی طرح اذان دو۔ سعید بن منصورؒ نے بھی سنن میں یہ روایت کی ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: **أَكَرَهُ أَنْ اشْغَلَ رَجُلًا عَنِ صَلَاتِهِمْ بِأَذَانٍ خَيْرَ هُمْ** (مجھے پسند نہیں کہ دوسروں کی اذان کا سہارا نماز میں لیا جائے) صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے آگ روشن کرنے کی تجویز بھی رکھی تھی لیکن آپ نے اذان واقامت کا حکم دیا، ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ قرن یہودی کی اصل تو حضرت موسیٰؑ سے ملتی ہے کہ ڈھولی بجانا ان کے عہد میں ثابت ہے، لیکن ناقوس نصاریٰ کی بدعت ہے وہ فرماتے ہیں کہ دین حنیف کا شعار وہی اذان بن سکتی تھی جس میں ذکر اللہ کا اظہار و اعلان ہو جس سے آسمان کے دروازے کھل جاتے، اور شیطان بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، اور رحمت اترنے لگتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ آج کل ہمارے عہد میں بیخشبہ کو بڑی دھوم سے منایا جاتا ہے اور شاہی اہلکار ناقوس وغیرہ بجاتے ہیں اور نمازوں کے لئے بھی اس کا استعمال کرنے ہیں اور طرح طرح سے عجم کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، ان کے یہ حکیمانہ اور مومنانہ

حلیے قابل واد ہیں۔

وہذا المشاجہۃ للیہود والنصارى
وللاعاجم من الروم والفرس
لما غلبت علی ملوک الشرق ہی
وامثالہا مملخا لغواہی ہدی
المسلمین ودخلوا فیما کرہہ اللہ
ورسولہ: سلطا اللہ علیہم الترد
الکافرین الموعود بقتلہم حتی
فعلوا فی العباد والبلاد ما لم یحی
فی دولة الاسلام مثلیہ۔

یہود و نصاریٰ اور روم و ایران کی مشابہت
جب مسلمان بادشاہوں نے اختیار کی اور
مسلمانوں کے طور طریق سے منہ موڑا،
خدا و رسول کی مرضیات کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ
نے ان کا فر ترکوں کو ان پر مسلط کر دیا جہن سے
فاتحانہ جنگ کا وعدہ تھا، چنانچہ تاری
حلموں میں انھوں نے عالم اسلام میں وہ
تباہی مچائی کہ جس کی اسلامی تاریخ میں
کوئی مثال نہیں ملتی۔

اسلامی عبادات سکون و سکینت، وقار و متانت، سنجیدگی اور برگزیدگی کا
نمونہ ہیں جبکہ عہد جاہلی اور عہد جدید کی قوموں میں بھی عبادات میں شور و شغب پایا جاتا
ہے، قرآن میں ہے کہ جاہلیت کی نماز تالیماں اور سیٹیاں بجلانے کا نام تھا لیکن اسلام
نے دوسرا طرز اختیار کیا، قیس بن عبادہ صحابہ کا حال بتاتے ہیں کہ وہ ذکر کے وقت
آواز کو پست رکھتے تھے، جنگ و ہمدال، اور جنازہ کے وقت بھی وہ خاموشی اور سکون
پند کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ عرب جاہلی حج میں مزدلفہ سے سورج نکلنے پر چلتے
تھے، لیکن آنحضرتؐ نے ان کی مخالفت میں طلوع آفتاب سے پہلے چلنے کی ہدایت کی

لہ اتقنار الصراط المستقیم ص ۱۱۱

اور فرمایا: "وخالف ہدینا ہدی المشرکین" (ہماری سنت مشرکین کی سنت کے خلاف ہے) ایسے ہی وہ عرفات سے غروب سے قبل ہی چلے آتے تھے، مگر آپ نے بعد غروب چلنے کا حکم دیا، جہور کے ہاں وقوف بعد الغروب ہی لئے واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک بار مجھے زرد لباس پہننے دیکھا تو فرمایا: "کہ یہ کفار کا لباس ہے، اسے من پہنو۔ ان ہذا من ثياب الکفار لا تلبسها" (مسلم) دوسری حدیث میں سونے چاندی کے برتنوں کے لئے فرمایا گیا، وہ دنیا میں کافروں کے لئے ہے، اور آخرت میں مومنوں کے لئے۔

صحیحین میں ابو عثمان نہدی کے نام حضرت عمرؓ کا وہ خط نقل ہوا ہے، جس میں انہوں نے آذربائیجان کی مہم کے کمانڈر عقبہ بن فرقہ کو لکھا تھا: "مال غنیمت نہ تمہاری ماں کا ہے، نہ باپ کا جو تم کھاتے ہو، مسلمانوں کو بھی وہی کھلاؤ، تنعم اور مشرکین کی مشابہت اختیار نہ کرنا، نہ رشیم پہنا، اس لئے کہ حضورؐ نے صرف ۲ انگلی ہی اس کی اجازت دی ہے!"

ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے ایک گھر میں تانبے پیتل وغیرہ کے لوٹے دیکھے تو اس میں داخل نہیں ہوئے اور فرمایا کسی قوم کی مشابہت اس قوم کا فرد بن جانا ہے، علی سراق کہتے ہیں کہ ایک دعوت ولیمہ کے موقع پر حضرت امام احمد بن حنبلؓ تشریف لائے، لیکن جب انہوں نے کرسی پر چاندی کے نقش دیکھے تو اس گھر سے نکل کر واپس جانے لگے صاحب خانہ انہیں منانے گیا تو آپ نے ہاتھ کو زور سے جھٹک کر فرمایا: "زی المجوس، زی المجوس، تم نے تو مجوس کی نقل اپنائی ہے!"

صالح کی روایت میں ہے کہ جب کسی دعوت میں نشہ، یا کوئی منکر ہوتا یا سونے چاندی کے بزن ہوتے یا دیواروں پر پردے پڑے ہوتے تو آپ کبھی نہیں ٹھہرتے تھے

مسئلہ تشبیہ میں اربعہ کا اجماع

اس باب میں مذاہب اربعہ کی وہ بنیادی تصریحات درج کی جاتی ہیں، جو مسئلہ تشبیہ میں ائمہ اور علما سے منقول ہیں، امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ تاخیر صلاۃ، تعجیل سے بہتر ہے، البتہ جاڑوں میں نظر میں تعجیل کی اجازت ہے، احناف نے مغرب کی تعجیل کی علت یہ بتائی ہے کہ اس میں یہود کی مشابہت ہے وہ اسی وجہ سے محراب اور طاق میں امام کے یا کسی نمازی کے کھڑے ہونے کو مکروہ کہتے ہیں کہ اس میں بھی اہل کتاب کی مشابہت ہے، یوم شکر کا روزہ رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھنا اسی لئے مکروہ کہا گیا کہ اہل کتاب اپنے روزوں میں کمی زیادتی کر لیتے تھے، امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ صرف چاند کی انگوٹھی جائز ہے، اس لئے احناف کا کہنا ہے کہ تمپر، لوہے، اور کسی دھات کی انگوٹھی حرام ہے، اور اس کے ثبوت میں وہ حدیث ہے جس میں کسی کے ہاتھ میں تانبے کی انگوٹھی دیکھ کر آپ نے فرمایا: "مالی اجد منک رج الا صناعہ؟" (مجھے تم سے تمہوں کی لوہا ہی ہے) اسی طرح کسی کی انگلی میں لوہے کی انگوٹھی دیکھ کر آپ نے فرمایا: "مالی اری علیک حلیۃ اهل النار" (مجھے تمہارے بدن پر اہل نار کا زیور نظر آتا ہے) اس کے علاوہ بھی تصویر والے کپڑے پہن کر یا ان کے سامنے نماز پڑھنا، یا ریشم کو کسی طرح استعمال کرنا احناف کے ہاں منع ہے تشبیہ ہی کی وجہ سے منع ہے، امام مالکؒ کا مسلک اور زیادہ سخت ہے احناف تو تحریم کی اجازت معذور کے لئے غیر عربی میں بھی دیتے ہیں، لیکن

مدونہ میں ابوالقاسم کی روایت میں امام مالکؒ کی روایت ہے کہ وہ تحریمہ، دعا، اور قسم وغیرہ کو بھی غیر عربی زبان میں ادا کرنے کے قائل نہیں تھے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے زطانہ اعاجم، عجی حبسے سے منع فرمایا ہے اور کہا ہے، وہ عیب نساہ ہے (انہا خبئہ)۔

ان کا مسلک ہے کہ جمعہ کو چھٹی کا دن نہ بنایا جائے اس لئے کہ اس بے عملی میں یہود و نصاریٰ کی یوم السبت (شنبہ) اور (یکشنبہ) کی مشابہت ہے، اسی طرح وہ کسی کے لئے تعظیماً گھڑے ہونے کو مکروہ سمجھتے ہیں، البتہ بیٹھنے کے لئے جگہ دیرنا مستحب ہے۔

بعض اصحاب مالکؒ کا کہنا ہے کہ جو مشرکین کے کسی تنوار میں شربوزہ کو خاص طرح سے کاٹتا ہے وہ گویا شربوزہ کو ذبح کرتا ہے، شافیہ بھی اوقات مکروہ میں نماز کو تخریف کی طرح مکروہ کہتے اور اس کی علت مشرکین سے مشابہت کو قرار دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: "انہا ساعة یسجد لہا الکفار" (یہ کفار کے سجدے کی طاعت ہے) سحر کی تاخیر کی علت بھی اہل کتاب اور مسلمین کے درمیان فرق ہی کو کہتے ہیں، وہ اس سنت کے ترک کے بھی قائل ہیں، جسے اہل بدعت اپنا شعار بنا لیں جیسے قبروں کو مخروطی بنانے کے بجائے وہ مسطح رکھتے تھے، لیکن جب روافض کا یہ شعار بنا تو انھوں نے احناف اور متابلیہ کی رائے کو ترجیح دی۔

ام احمد کا مسلک اور گندر چکا ہے، ان کا خیال ہے کہ مہینوں اور انسانوں کے عجی نام بھی مکروہ ہیں، حلبی نقما میں قاضی ابوعلی، ابن عقیل، شیخ عبدالقادر حیلانی نے لباس کے مسئلہ میں کہا ہے کہ عرب کو چھوڑ کر عجم کا وطیرہ اختیار کرنا مکروہ ہے،

شیخ عظیم حضرت جیلانیؒ کا ارشاد ہے: "وایکے کل ماخالفت زئی العرب وشاہ زئی الاعاجم" علمائے حنابلہ کا (جن میں ابو الحسن آمدی (ابن البغدادی) بھی ہیں) کہنا ہے کہ ہاتھ دھونے کے لئے پیلچی کا استعمال مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ حضورؐ نے استعمال فرمایا ہے، حضرت شیخ جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک ہی پیلچی میں سب کو ہاتھ دھلانا چاہئے، اور حدیث میں آیا ہے کہ "جب تک طشت پانی سے بھر نہ جائے اٹھایا نہ جائے" علمائے حنابلہ نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ عجم کا طریقہ اس کے برخلاف تھا، علمائے حنابلہ نے (جن میں شیخ عظیمؒ بھی ہیں) سر منڈانے کو مکروہ لکھا ہے اس لئے کہ یہ بعض عجمی قوموں کا شعار ہے۔

اثرم نے امام احمد سے عجمی کمانوں کے لئے پوچھا تو فرمایا کہ اکثر لوگ تو عربی کمانیں ہی رکھتے تھے مگر حضرت عمرؓ سے رخصت بھی ثابت ہے، انھوں نے اہل خراسان کا بیخیال ظاہر کیا کہ وہ عربی کمانوں کو تیرہ بدت نہیں سمجھتے، اس پر امام احمدؒ نے فرمایا: "کیف وانما فطحت الدنيا بالعربية" (میں کیسے مان لوں؟ حالانکہ دنیا تو عربی کمانوں ہی سے فتح ہوئی ہے!)

اثرم نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ ایک دفعہ اپنی عربی کمان پر ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص ایرانی کمان لئے ہوئے گزرا آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ یلعون کمان پھینک دو اور عربی کمان سنبھالو، اور نیزوں کو استعمال کرو، اللہ تعالیٰ اسی سے دین کی مدد کرے گا اور اسی سے تمہارے قدم جائے گا" (فبھا یؤید اللہ الدین و یھایمکن لکم فی الارض)

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جنگی آلات امور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں جن میں

عقل و تجربے کا بھی کافی دخل ہوتا ہے، لیکن ان چیزوں میں بھی ائمہ اور اسلاف احتیاط ہی سے کام لیتے تھے یہاں کتاب کے محشی شیخ حامد الفقہی نے لکھا ہے کہ یہ تردد اور شروع میں حضورؐ کی ممانعت اس لئے تھی کہ اہل عجم اسلام کی آرائش پر بھی زور دیتے تھے، لیکن آنحضرتؐ ظاہر کو نہیں دیکھتے تھے، بلکہ ضرب کاری کو پسند کرتے تھے، اس لئے عربی اسلام کو پسند فرماتے تھے، لیکن آج جبکہ دوسری قومیں فنون حرب میں بہت آگے ہیں تو ہمیں اَعِدُّوْا لِحُرْبِهَا اسْتَطَفْتُمْ کے مطابق ان کے آلات و وسائل کو اپنا کر ان پر اضافہ بھی کرنا چاہئے تاکہ اسلام کا کیا و بقاء کیا جاسکے۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ شریعت نے کفار کی مشابہت سے اس لئے بھی روکا ہے کہ وہ شیطان کی مشابہت بھی ہوتی ہے، جیسا کہ مسلم نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے حضورؐ نے بائیں ہاتھ سے کھانا اپنا منع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شیطان کا عمل ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے یہاں ایک حکیمانہ نکتہ سے ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اہل عجم کی مخالفت اور عرب کی موافقت، کا حکم کسی نسلی، نسبی، اور قومی عصبیت کی بنا پر نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ اسلام میں اس کا گزرنہیں۔ بلکہ اس لئے ہے کہ عرب اسلام کے نمائندے تھے، چنانچہ ان کی تہذیب اسلامی تہذیب میں رنگ گئی اور بالآخر اسلامی تہذیب میں جذب ہو گئی۔ اب اس کے بعد عرب کی مخالفت اسلامی تہذیب کی مخالفت کے ہم معنی ہو جاتی، لہذا اس سے روک دیا گیا۔

قبائلی عصبیت پر آنحضرتؐ نے جس طرح ضرب کاری لگائی وہ سب کو معلوم ہے، صحیحین میں ابن العاصؓ کی روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ فلاں میرے عزیز نہیں بلکہ میرا عزیز تو خدا اور اس کے نیک بندے ہیں، ان بنی فلاں لیسوا لی باولیاء انما ولیتی اللہ وصالحو المؤمنین؟

خود اللہ تعالیٰ نے اہل عجم کی تعریف فرمائی **فَاَحْسَبُ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ** (۳-۶۲) صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ یہ آیت اتری تو لوگوں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ آپ نے حضرت سلمانؓ پر ہاتھ دھر دیا اور فرمایا کہ اگر علم تریا پر بھی ہوتو ان کی قوم کے افراد اسے اتار لائیں گے۔

عربوں سے مشابہت کا حکم انکی افضلیت کے سبب

شیخ الاسلامؒ نے اہل سنت کا عقیدہ یہ بیان کیا ہے کہ جنس عرب کو جنس عجم پر فضیلت ہے اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے **”حب العرب ایمان و بغضہم نفاق“** (عربوں کی محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق ہے) متعدد روایات میں عرب اور قریش و بنو ہاشم کو مطلق فضیلت دی گئی ہے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے **”حب ابی بکر و عمر من الایمان و بغضہما من الکفر و حب العرب من الایمان و بغضہم کفر“** (ابو بکر و عمرؓ کی محبت ایمان اور ان سے بغض کفر ہے، اسی طرح عربوں سے محبت ایمان اور ان سے نفرت کفر ہے) حضرت عمرؓ اور ان کے بعد تمام خلفائے نبویہ و بنی عباس.... عطیات کے جڑ میں پہلے آل رسولؐ، پھر عرب اور پھر عجم کے نام درج کرتے تھے۔

لے روایت ابو طاہر سلفی و حرب کرمانی۔ **”عہ حضرت عمر فاروقؓ نے جب خلافت کا نظم مقرر کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین اپنا نام پہلے تحریر فرمائیں اور اسی تناسب و توفیق بھی قبول کریں لیکن حضرت عمرؓ نے انہیں قبول نہیں کیں اور فرمایا کہ عمر کو اپنی حیثیت معلوم ہے اللہ نے اسے جہاں رکھا ہے اسے وہیں رہنے دو۔“** (۱)۔ **”و لکن ضواہم حیث وضعہ اللہ تعالیٰ“** چنانچہ اپنا نام بنی عدی کے ایک فرد کا حیثیت سے لکھا، جبکہ نام بنی ہاشم اور قریش کے بہت بزرگ تھے۔ اور اسی طرح معمولی و توفیق بھی قبول فرمایا۔ مندرجہ

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اس فضیلت کی وجہ علم نافع اور عمل صالح ہے، اور علم کے لئے حفظ و فہم، اور لفظ و بیان ضروری ہے اور ان دونوں چیزوں میں عرب قوم عالم میں ممتاز ہیں، اور عمل کی بنیاد اخلاق پر ہے جو افتاد طبع اور مزاج سے پیدا ہوتے ہیں لہذا اس میں بھی عرب اس لئے ممتاز ہیں کہ ان کا رجحان خیر کی طرف زیادہ ہوتا ہے، اور ان کی سادہ فطرت خیر پسندی کی جانب سانی سے نائل ہو جاتی ہے، اور ایک بڑی وجہ فضیلت یہ بھی ہے کہ دوسری تمام قومیں فطرت سے دور جا بڑی تھیں، اور ان کی سادہ طبیعت خود ساختہ تہذیب و تمدن سے غلط رنگ اختیار کر گئی تھی، ان کے علوم و فنون، ان کی خواہشات و نفسانی مطالبات نے آئینہ جاں کو مکدر اور شیشہ دل کو گرد آلود کر دیا تھا۔ لیکن عرب اپنی صحرائی اور بیابانی زندگی کی وجہ سے تہذیبوں کے رنگ اور ان کے رنگ سے بچے ہوئے تھے، فطرت کی ہی ہونی تمام صلاحیتیں اور امکانات موجود تھیں لیکن کوئی ان کو صحیح رخ دینے والا نہ تھا، اس حال میں بعثتِ محمدی ہوئی اور رسول اللہ کی نگاہ فیض پناہ نے مس خام کو کندن، اور تپھر کو پارس بنا دیا، تاہم شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ حیثیت مجموعی عرب قوم کو فضیلت ہے نہ کہ ہر عرب کو فرداً فرداً عجمی پر فضیلت ہے نہ اس کو اظہار کا حق ہے اس لئے کہ یہ نسلی فخر و غرور کی طرح اسلام میں جائز نہیں ہے

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نسبت!

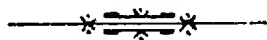
شیخ الاسلام نے ایک تاریخی غلطی کو صاف کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ عرب اور عجم کا امتیاز صرف حسب نسب کا نہیں بلکہ علم و فن، اخلاق و آداب، اور تہذیب و ثقافت کے اختلاف کے سبب ہے، یعنی اس کی جڑیں صرف سطح میں نہیں بلکہ بہت گہری ہیں

وہ "عربیت" کے لئے ۳ باتیں ضروری قرار دیتے ہیں، (۱) ان کی زبان عربی ہو (۲) عربوں کی اولاد سے ہوں (۳) ان کا مسکن جزیرۃ العرب ہو جس کے حدود بحر متلزم (RED SEA) سے خلیج عرب (ARABIAN GULF) اور جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام پر ختم ہوتے ہیں، لیکن اس میں شام، شامل نہیں، پھر فتوحات اسلامیہ کے بعد عالم اسلام کے دو حصے ہوئے، ایک وہ جن میں عربی تہذیب و ثقافت غالب تھی، دوسرے وہ جن میں مقامی رنگ زیادہ گہرا تھا۔

پہلے میں مصر و شام، عراق و اندلس، ایران و خراسان رکھے جاسکتے ہیں، دوسرے میں ترکی، آرمینیا، آذربائیجان وغیرہ جیسے علاقے شامل ہیں، ان کی رائے ہے کہ عربوں کی تقلید کا یہی مفہوم ہے کہ ان کے دینی صفات اور اسلامی خصوصیات کی اتباع کی جائے جس کے لئے مثالی نمونہ اور معیار صدر اسلام کے عرب ہی قرار دئے جائیں گے اس لئے کہ بعد کے آزاد خیال لوگ جو نسلاً عرب ہیں، لیکن اخلاقی طور پر عرب نہیں ان کی تقلید نادر ہے، صدر اسلام میں عربی معاشرت کی چھاپے کوئی نئے مستثنیٰ نہیں رہ سکتی تھی، حضرت حسینؑ کا قول تھا کہ جو عہد اسلام میں پیدا ہوا وہ عربی ہے، من ولدنی الاسلام، فہو عربی (۱۶۸) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ جو عربی بولتا ہے وہ عربی ہے، اور جس کے عہد اسلامی میں پیدا ہونے کی گواہی دو شخص دیدیں وہ بھی عربی، من تکلم بالعربیۃ فہو عربی ومن ادرك له اثنان فی الاسلام فہو عربی

لے ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ہم نے اوپر عربی زبان اور عربی اخلاقی کا ذکر کیا وہ اسی کے لئے ہے جو اس پر حامل ہو، اگرچہ نساہ فارسی کیوں نہ ہو اور ہاشمی ہوتے ہوئے بھی جو ان صفات کا قائل نہیں وہ عربی نہیں، عربوں کی فضیلت دین ہی کے لحاظ سے ہے اگر کوئی عربی دیندار نہیں تو اس کے لئے فضیلت کا حکم نہیں (۱۶۸)

امام ابو حنیفہؒ دو پشت کے عربی کو عرب کہتے ہیں، اور عرب کا کفو قرار دیتے ہیں، امام ابو یوسفؒ ایک ہی کو کافی سمجھتے ہیں، امام شافعیؒ واحد اسے معتد بہ نہیں سمجھتے، اس بحث کو شیخ الاسلامؒ نے ایک حدیث پر ختم کیا ہے کہ قیس بن مطاط نامی منافق نے ایک مجلس میں حضرات صہیبؓ می، سلمان فارسیؓ، اور بلال حبشیؓ رضی اللہ عنہم کو طعنہ دیا کہ اہل وخرج نے تو آنحضرتؐ کے ساتھ جان کی بازی لگائی تھی، لیکن ان کی قوموں نے کب ساتھ دیا تھا؟ حضرت معاذ بن جبلؓ کہیں سن رہے تھے، انھوں نے اسے پکڑ کر حضور کے پاس حاضر کیا آپ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے اور نماز کا اعلان کرایا اور پھر منبر پر ارشاد فرمایا کہ لوگو رب ایک ہے، مورث اعلیٰ ایک ہے۔ دین ایک ہے اور عریت رشتہ و نسب سے نہیں بلکہ یہ تو ایک زبان کی وجہ سے ہے، چنانچہ جو عربی بولتا ہے وہ عرب ہے، (یعنی اس میں کوئی فخر نہیں) حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ اس منافق کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اسے جہنم میں جانے دو (ادعہ الی النار) چنانچہ وہ کسی موت پر مرتد ہوا اور مارا گیا! (ادھا للناس ان الرب رب واحد، والاب اب واحد، والدین دین واحد، وان العربیۃ لیست لاحد کرباب ولا لہم، اذما ہی لسان، فمن تکلم بالعربیۃ فہو عربیؑ) ۱۶۹



لہ ابن تیمیہ نے اسی حدیث کو سلفی سے نقل کیا ہے اور معنی صحیح لکھا ہے۔

ماقبلِ اسلام مذاہب کے ساتھ اسلام کا رویہ

[اسلام کے ناسخ ادیان و ملل ہونے کو آج کل پھر غلط رنگ دینے کی کوشش ہو رہی ہے، جس کا سلسلہ مستشرقین سے شروع ہوا تھا، کہا جاتا ہے کہ اسلام اتنا کٹر، کھڑا اور اکل کھڑا مذہب ہے کہ کسی مذہب تہذیب کو پھیننے کا موقع ہی نہیں دیتا، اسے کسی طرح برداشت کر سکتا ہے، حالانکہ اس پر وہ سپکین ٹھے کے پیچھے خالص تعصب کا فرما ہے اگر ایسا ہوتا تو اسلام ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک بلکہ مساویانہ برتاؤ کی کیوں اجازت دیتا یا پرامن بقائے باہم کی شرطیں کیوں سامنے رکھتا؟ اس نے علم کی آزادی اس حد تک دی کہ چین تک کے علمی سفر کی اجازت دی، اور حکمت کو مومن کی متاعِ گم شدہ قرار دیا، اور جاہلیت کی اچھی اقدار کی قدر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جو جاہلیت میں نشانہ تھا وہ اسلام میں بھی رہے گا، خیرکم فی الجاہلیۃ خیرکم فی الاسلام۔

اسلام نے دوسرے مذاہب و تہذیب سے جن حدود کے اندر روکا ہے وہ اس لئے ہیں کہ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے انسان کے لئے سود مند نہیں، یا پھر اس لئے کہ

دینِ کامل میں نقص کا سبب بن جاتے ہیں، اور ان سے اسلام کی انفرادیت پر حرج آتا، اور اس کے نظامِ کامل میں کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت کسی تعصب کی بنا پر نہیں بلکہ خود فلاحِ انسانیت کے پیش نظر ہے، ورنہ پھر آخری دین کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی، ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے مذاہب میں تاریخی نشیب و فراز کے ساتھ تحریف و تبدیلی ہوتی رہی ہے اس لئے ان کے حدود (LIMITS) متعین نہ ہو گئے اور ان کی جامعیت و مانعیت ختم ہو کر رہ گئی، اس لیے یقینی کی کیفیت کو وہ رواداری کا نام دیتے ہیں، جسے اسلام جیسا متعین، مکمل، اور منظم مذاہبِ ظاہر ہے کہ کیسے گوارا کر سکتا ہے یا کوئی بھی مذہب و تہذیب جس کا متعین نصب العین اور ہدف (GOAL) ہو اس کی کیونکر اجازت دے سکتا ہے [

شیخ الاسلامؒ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ جن چیزوں کے بارے میں شریعت خاموش ہے ان میں ما قبل اسلام کے شرائع پر عمل ہوگا، اس لئے کہ ارشاد ہے: "فَبِهَذَا آهَمُوا قَتْلًا" (۶: ۹۱) (آپ اگلوں کا نمونہ سامنے رکھئے) دوسری جگہ کہا گیا: "ارْتَبِعْ مِلَّةَ آبَائِكَ لِيُخْرِجَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ الَّتِي أَنْتَ فِيهَا" (متن: ابراہیم کی اتباع کیجئے) تیسری جگہ ارشاد ہوا: "يَوْمَ تَكْفُرُ بِمَا كُنْتُمْ تَدْعُوا الْيَتِيمُونَ الَّذِينَ آسَأُوا" (۲۴: ۲۴) (اطاعت گزاروں کو نبی اس کا حکم کرتے ہیں) عام سلف اور جمہور فقہاء بھی اس کے قائل ہیں اور سعید بن جبیر کی ابن عباسؓ سے روایت بھی اسکے ہم معنی ہے کہ حضورؐ نے مدینہ آکر عاشوراء کے بارے میں یہودیوں سے دریافت فرمایا تو انھوں نے بتایا کہ یہ یساراً بڑا دن (Holy Day) ہے جس میں حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی شکست کے بعد روزہ رکھا تھا، اس پر حضورؐ نے فرمایا: تب تو ہم تم سے زیادہ کہیں موسیٰؑ کے عقیدار ہیں چنانچہ

آپ نے روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی حکم دیا۔ (متفق علیہ)
 ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اہل کتاب سر کے بالوں کو سیدھا چھوڑتے تھے،
 اور مشرکین مانگ نکالتے تھے، اور حضورؐ کا قاعدہ تھا کہ نامعلوم امومہ میں اہل کتاب کی موافقت
 پسند فرماتے تھے، اس لئے آپ نے ایسا ہی کیا، مگر پھر بعد میں آپ نے فرق اقدس میں
 مانگ بھی نکالی۔ (متفق علیہ)

یہاں تک اعتراض تھا ابن تیمیہؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں اقتدار کا حکم
 وہیں ہے، جہاں باقبل کی شریعت ثابت بھی ہو جیسے کتاب و سنت میں اس کا
 ذکر آیا ہو یا تو اتر سے ثابت ہو اس کے بغیر براہ راست اہل کتاب کی کسی بات کو
 مان لینا صحیح نہیں، دوسرے آنحضرتؐ کا معاملہ امت سے مختلف تھا آپ کو وحی کے
 ذریعہ اطلاع مل جاتی تھی لیکن امت کیوں کر کسی گمراہی سے بچ سکتی ہے؟ اسی لئے آپ نے
 فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق تکذیب کچھ نہ کرو، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی موافقتیں عارضی
 حکم کے طور پر تھیں مستقل اور دائمی نہ تھیں۔ وانما تنجح الموافقة فی بعض الاحکام
 العارضة لا فی الہدی الراتب والشعار الذائم ۱۷۳۔

ایک اور ضروری چیز یہ ہے کہ ان احکام میں حضورؐ اور ان کے ساتھیوں سے
 کوئی بات اس کے خلاف نہ ثابت ہو چکی ہو، یا کم از کم اس کی اصل ہماری شریعت
 یا کسی نبی کی سیرت میں موجود ہو جیسے کسی نے بیٹے کی قربانی کی نذر مانی تو وہ جانور ذبح
 کر کے لے پورا کر سکتا ہے جبکہ اہلی حضرت ابراہیمؑ سے ثابت ہے (ایک جواب یہ بھی دیا
 جا سکتا ہے کہ اہل کتاب کی موافقت آپؐ نے خوشی سے نہیں کی بلکہ اس لئے کی کہ
 مشرکین کی موافقت نہ کرنا چاہئے۔ گویا یہ اہل البلیتین کے اختیار کرنے کی صورت تھی

اسی لئے حدیث میں تصریح آئی ہے کہ مشرکین کے مقابلے میں اہل کتاب کے عمل کو ترجیح دیتے تھے نہ کہ مطلق حالت میں (صوم عاشورا کے بائے میں ان کی تحقیق ہے کہ وہ عربوں میں متعارف تھا چنانچہ حضورؐ اور قریش کے لوگ اسے رکھتے تھے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ حضورؐ قریش کے رواج کے مطابق صوم عاشورا رکھتے تھے جب رمضان کے رونے فرض ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ عاشورا کے رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے (صحیحین) ایک روایت میں ہے کہ عاشورا کے دن کعبہ پر غلام ڈالا جاتا تھا، کان یوم تسترفیہ الکعبہ“ حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی روایت ہے۔

اہل کتاب کی مخالفت کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ یہ پہلا حکم تھا، بعد میں اہل کتاب کی مخالفت کا حکم بھی ہوا اور اسے مقصد شریعت بھی قرار دیا گیا جیسے بالوں کے مولنے میں ان کی مخالفت کی اور ذمیوں کو مسلمانوں کے طرز پر مانگ نکالنے سے روک دیا گیا جیسے بیت المقدس کا قبلہ اولیٰ منسوخ ہو گیا، صوم عاشورا میں یہود کی مخالفت کے خیال سے آپؐ نے ایک دن مزید روزہ کا حکم فرمایا تھا، جسے آگے پیچھے ملا لینا ضروری تھا۔

حکم بن العروج کہتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؓ زمر کے پاس چادر پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، میں نے عاشورا کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ۹ محرم کو بھی روزہ رکھو میں نے کہا کیا حضورؐ نے ایسا ہی کیا ہے؟ فرمایا: ہاں! مسلم میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر میں آئندہ سال تک جیتا رہا تو ۹ کو بھی روزہ رکھوں گا، ابن عباسؓ نے فرمایا ۹ کو روزہ یہودی کی مخالفت کے سبب رکھو، سعید بن منصور نے سنن میں روایت کی ہے کہ حضورؐ نے بھی ایسا ہی فرمایا: صوم وایوم عاشورا

وخالفوا فيه، اليهود صوموا يوماً قبله، أو يوماً بعده،" امام احمد نے بھی یہی روایت کی ہے، اور ان کا مسلک بھی یہی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مشورہ کے روزے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ صدر اسلام میں چونکہ یہودیوں اور مسلمانوں میں کوئی تہذیبی فرق نہیں تھا، اس لئے بعض چیزوں میں مسامحت کی گئی، لیکن جب دین کامل ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اجماعاً بھی اسلامی تہذیب کے حدود متعین ہو گئے تو مخالفت سامنے آئی، جس کا سبب یہ تھا کہ یہ اضداد قسم کی چیز ہے، جو تہذیبی شوکت کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہے، جیسے جہاد، جزیہ اور دوسرے احکام سیر چونکہ مسلمان مکرو تھے، اس لئے مخالفت نہیں کی گئی، لیکن بعد میں ایسا نہیں رہا۔

شیخ الاسلامؒ نے ایک قابل غور بات کہی ہے، جس پر حالات کے رد و بدل کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے وہ فرماتے ہیں:

ومثل ذلك اليوم لوان المسلم	مثلاً کوئی مسلمان اگر دار الحرب میں یاد رکھے
بدار الحرب، اودار كفر غير حرب	میں ہے تو وہ ظاہری مخالفت کا ماتموز نہیں
لهم يكن مأموراً بالمخالفة لهم في	اس لئے کہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہے،
المهدي الظاهر لما عليه في ذلك	بلکہ کبھی مستحب اور کبھی واجب ہو جاتا ہے کہ
من الضرور بل قد يستحب للرجل	کبھی کبھار ظاہر ان کے ساتھ ہو جائے مگر

لہ مگر صرف یہی نہیں کہ عدم مخالفت کی وجہ مسلمانوں کی کمزوری تھی، بلکہ اس کا سبب غالباً یہ بھی تھا کہ جن احکام میں شریعت خاموش تھی، ان میں ایسا ہوا، اور دین کی تکمیل کے بعد دونوں کے تہذیبی

حدود قدرہ متعین ہو گئے اور دونوں نے ایک محاذ (FRONT) کی شکل اختیار کر لی۔ مرتب

اور یحییٰ علیہ ان یشارکہم احیائاً
فی ہدیہم الظاہر اذا کان فی
ذلک مصلحتہ دینیۃ: من دعوتہم
الی الدین والاطلاع علی باطن اہم
لاخبار المسلمین بذلک اود فح
ضررہم عن المسلمین وینوذلک
من المقاصد الصالحہ — ۱۷۷

یہ اسی صورت میں ہے کہ اس میں کوئی دینی
مصلحت ہو جیسے دین کی دعوت یا ان کا
اور ان کی تہذیب و تمدن اور سیاست و
حکومت کا جائزہ لینا مقصد ہو جس سے
دفاعی کاموں میں مدد ملنے کی امید ہو، یا
مسلمانوں کی کسی افتاد سے حفاظت کی
توقع ہو تو ایسی صورتیں اختیار کی جا سکتی
ہیں۔ اور دوسرے صالح مقاصد کے لئے
بھی یہ طریقہ کار اپنایا جا سکتا ہے۔

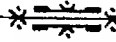
ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اصل اظہار مخالفت اسلامی مملکت میں ہوگا جہاں
ساکا حق حاصل ہے اور ہر قسم کا تحفظ بھی موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دین کے
معاہدے میں اہل کتاب کے کسی قول و فعل کو اختیار کرنا جائز نہیں، اور اگر کوئی
کتاب ہے کہ ہمیں اہل کتاب کی ضرور موافقت کرنی چاہئے۔ تو اس کے دین سے
نکل جانے کا اندیشہ ہے، البتہ سلف جن باتوں میں اہل کتاب کی موافقت کرتے
سے یہ مخالفت بغض نہیں، بلکہ یہ صرف تہذیبی امتیاز کے لئے ہے کہ کفر و اسلام دونوں
کی پیدا کردہ تہذیبیں دنیا کے سامنے بے نقاب رہیں، اور لوگوں کو آزاد اندر رد و قبول
کے لئے مواقع فراہم ہوں اور وہ دونوں کی خوبیوں اور خرابیوں کا جائزہ لے سکیں۔
دوسری حکمت یہ تھی کہ ذہنیوں کا تہذیبی استحصال موقوف ہو ان پر زبردستی اسلامی تہذیب کو
نلا دیا جائے۔

نظر آتے ہیں، خواہ وہ شعوری طور پر ہوا ہو، یعنی شرعی جواز کے تحت ہو یا خود اہل کتاب ہی اس کی اتباع کرنے لگے ہوں تو ہم سلف کی اتباع سمجھ کر اہل کتاب کی موافقت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، لیکن غیر شعوری طور پر بھی غیر مسلمین کی تقلید و موافقت ناروا ہے اس لئے کہ بالوں کی سفیدی یا مونچھوں کا بڑھ جانا ایک فطری بات ہے جس میں اہل کتاب وغیرہ سے مشابہت و موافقت میں قصد و ارادہ کا کوئی دخل نہیں لیکن آنحضرتؐ نے ان کو بھی گوارا نہیں کیا، اور ان کے لئے علیحدہ حکم دیا، انھوں نے اہل کتاب کے مسائل کی تین قسمیں کی ہیں، ایک یہ کہ وہ ہمارے ہاں مشروع ہو اور ان کے ہاں بھی ہو یا وہ عمل کرتے چلے آئے ہوں، دوسری یہ کہ مشروع ہو لیکن بعد میں قرآن نے اسے فسوخ کر دیا ہو تیسری یہ کہ وہ ان کی شریعت میں نہ ہو بلکہ ایجاد بندہ اور بدعت ہو، پھر یہ تینوں قسمیں عبادات سے متعلق ہوں گی یا عادات سے یا دونوں سے اس طرح ان کی ۹ قسمیں ہو جاتی ہیں۔

پہلی صورت جس میں شریعت اسلامی اور وہ دونوں متفق ہوں جیسے صوم، عاشورا، یا صلاۃ و صیام، تو ان کی صفات میں اختلاف ضرور ہوگا جیسے دسویں کے ساتھ نویں کا روزہ، یا افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر وغیرہ جیسے اختلافات عبادات میں زیادہ اور عادات میں کم ہیں۔

تدفین دونوں میں مشترک ہے، لیکن آپ نے فرمایا ہمارے لئے لحد ہے اور دوسروں کے لئے شق، یا ننگے پاؤں نماز پڑھنا شریعت موسوی کی ہدایت تھی، لیکن اسلام میں ایسا نہیں، حالانکہ سے علیحدگی ان میں بھی تھی، لیکن

اسلام نے اس میں اعتدال پیدا کر دیا۔
دوسری قسم یعنی ان کی منسوخ شریعت جیسے سبت وغیرہ میں تو موافقت
کا کوئی سوال ہی نہیں، اور یہی حکم تفسیری قسم یعنی بدعت کا بھی ہے۔



غیر اسلامی تقریبات عیدوں اور تیوہاروں میں شرکت

[اسلام میں غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت سے جو روکا گیا ہے وہ بلاوجہ اور بے ضرورت نہیں، اس میں کئی مصالح اور مضمرات ہیں، ایک مسلمان کو ایسی تقریبات اور تیوہاروں میں جانے سے سب سے پہلی چیز جو روکتی ہے، وہ ان تیوہاروں کا مذہبی، مشرکانہ اور مخالفت اسلام ہونا ہے، یعنی ان میں شرکت کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ توحید کے علم بردار کفر و شرک کے تماشوں اور نمائشوں میں پھی لیں، اور ان رسوم سے تفریح طبع کا سامان بہم پہنچائیں، آج کل کی جو زبانی رواداری چلی ہے (جس میں دل میں نفرت کے ساتھ زبان پر دوستی کے دعوے ہوتے ہیں، اور حالت جنگ میں بھی ایک دوسرے کی مزاج پر سی کی جاتی ہے) اس کا محرک لاندہی ذہن اور اباحت پسندانہ مزاج ہے۔ ایسے روادار لوگ مذہب کی صحیح روح ہی کو نہیں سمجھتے اور نہ اس کی تعلیمات کی حقیقہ و عمل سے تصدیق کرتے ہیں، ان کے یہاں مذہب کے متعین حدود اور قانون کا تصور ہی نہیں، ان کے یہاں کفر و ایمان، شرک و توحید اور

دیروم سب ایک ہی ہیں۔ ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں، ایسے لوگ آج کے معاشرہ میں بڑے روادار سمجھے جاتے ہیں، لیکن یہی رواداری "مذہب کی زندگی کے لئے اصل چیلنج ہے، رواداری کے بھی حدود ہوتے ہیں، تیوہار اور تقریبات، صرف اظہارِ خوشی اور تفریح کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ ان کی بنیاد ہمیشہ اور تاریخ کے ہر دور میں مذہب کا عقیدہ پر قائم رہی ہے، کسی بھی قوم کی تقریبات کا تاریخی پس منظر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی مذہبی روایت یا عقیدہ کارفرما رہا ہے، انگریزی مہینے آج کل ہر جگہ استعمال میں ہیں، اسی طرح دونوں کے انگریزی نام سب کی زبان پر ہیں، لیکن ان تک میں رومی، یونانی، اور سچی عقائد کا پس منظر موجود ہے، قدیم اقوام حتیٰ کہ قبائلی نظام میں بھی مذہب و عقیدہ کی بنیاد پر رسمیں اور تیوہار منائے جاتے تھے، یونانی، رومی، یہودی، مسیحی اور ہندو تہذیبوں میں بھی شاید ہی کوئی تقریب اور تیوہار ہو جو کسی مذہبی روایت اور حکم کی بنا پر نہ منائی جاتی ہو۔ اس صورت حال کے پیش نظر اسلام کس طرح مسلمانوں کو جو ایک خاص خالص عقیدہ کے حامل ہیں، ان مذہبی تقریبات کی شرکت کی اجازت دیدیتا، یہ تضاد تہذیب جدید کی نئی منطق میں جائز ہو تو ہو، اسلام کی واضح تعلیمات میں اس کی جگہ نہیں یہاں غیر اسلامی تقریبات کے بارے میں کچھ بیانات دئے جا رہے ہیں، تاکہ ان کے پس منظر کا ایک اندازہ ہو سکے۔ قاموس مذہب و اخلاق کے مقالہ نگار نے تقریباً کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:-

"قبائل میں غذا کی فراہمی کی بڑی اہمیت رہی ہے، بولنے، کاٹنے، اور

شکار کے موسم ہمیشہ خوشی کے موقعے سمجھے گئے ہیں، جن میں سخت محنت

کے بعد جشن منانا ایک فطری ضرورت سمجھی گئی، یہ مواقع روحانی اثرات سے پُر سمجھے جاتے تھے، ان میں دعوت ایک ہم جز ہوا کرتی تھی گویا یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان دعوتوں میں دیوتاؤں کو شریک کر رہا ہے، اس کے علاوہ کئی اور مواقع بھی اسی قسم کے تیوہاروں کے لئے مخصوص کئے جاتے رہے ہیں، مثلاً نئے چاند کا دکھائی دینا، یا مختلف دیوتاؤں سے متعلق تیوہار، عام طور پر ان موقعوں پر ناچ گانے کے ذریعہ خوشی کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔

قدیم قبائل میں مختلف دیوتاؤں کے نام پر تیوہار منانے کی رسم ہمیشہ پائی جاتی رہی ہے جس میں دعوت ایک لازمی جز ہوا کرتی ہے، اعلیٰ مذاہب میں بھی دیوتاؤں یا ان سے تعلق رکھنے والے مواقع پر تیوہار اور دعوت کا رواج رہا ہے، گویا اس طرح دیوتاؤں کی عزت افزائی اور ان سے اظہارِ تواضع کیا جاتا رہا ہے۔

تمام ہندو تیوہار مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا ذکر بھی مذہب سے متعلق کتابوں میں ملتا ہے، اس میں دیوتا کے سامنے نذر پیش کرنے یا اس سے متعلق کسی رسم کو پورا کرنے کے سلسلے میں زیادہ تیوہار منائے جاتے ہیں، عوامی تیوہاروں میں بھی دو جز ہوتے تھے، ایک دعوت دوسرے پوجا، پرانے موسمی تیوہاروں میں پورناشی کی خاص اہمیت ہے، نہ صرف یہ کہ وہ بہت قدیم تیوہار ہے بلکہ مقبول ترین بھی ہے، بدہسٹ بھی اس کو (UPASATHA) کے نام سے مناتے تھے، اس کا ایک جز

پیدا کر کے خدا نے اس کے ماننے والوں کے لئے وقت کا تعین کیا ہے، ان
 قدیم ترین مذاہب میں تیوہاروں کا تعین ان کے سال سے اور سالوں کا
 تعین ان کے قدیم دیوالا سے اتنا خلط ملط ہے کہ دونوں کو جدا کرنا ناممکن
 ہے، ان تیوہاروں کا تصور دراصل قبیلوں کی قومی شیرازہ بندی کرتا ہے
 تیوہاروں کے موقع پر زندوں کا مردوں سے تعلق قائم کرنا اور دیوتاؤں
 کی خوشنودی حاصل کرنا، ہمیشہ سے اہم جز رہا ہے، یونانی اور بائبل مذاہب
 میں اکثر تیوہاروں کے موقع پر اس شہر کی پوجا کی جاتی تھی جس نے بعد میں
 وسعت پا کر پوری مملکت کے لئے اظہار وفاداری کی شکل اختیار کر لی۔

دراصل کسی مذہب کے تیوہاروں کی تاریخ سے اس مذہب کی پوری
 تاریخ کا پتہ چلایا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر عیسائیوں کا

(ALLSAINTSDAY) "یوم صوفیا" قدیم شمالی یورپ میں مروج
 روحوں کی پرستش سے ماخوذ ہے، بنگھائی لینڈ کے نئے سال میں یہ
 تقریبات کے ساتھ ساتھ قدیم ہندو رسم و رواج کی جھلک دکھائی دیتی
 ہے... اور سکھوں کا تیوہار "ہولا" ہولی سے مشتق ہے، تیوہاروں کے

مذہبی، سیاسی، اور مقامی روایات کو الگ نہیں کیا جاسکتا اور یہ تمام
 دھارے مذہبی تقریبات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں، قدیم ترین
 قبائل میں جزائریجی کے جنگی قبائل اپنے نئے سردار کی رسم تاجپوشی اس طرح
 مناتے ہیں کہ اس دن دنیا کی نئی تخلیق ہوئی ہے، فصل کٹنے کے وقت
 عام دعوت میں مردہ روحوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے اور

انہیں نارچ کا کرغوش کیا جاتا ہے، اسی طرح دوسرے قدیم قبائل میں فصل کی بوائی، کٹائی، شکار کا موسم شروع ہونے، درختوں میں پھل آنے کے وقت مختلف تیوہاروں کا رواج ہے جن کا بڑا عنصر مذہبی تقریبات ہیں قدیم بابلی تہذیب میں مذہب کا سب سے بڑا تیوہار آغاز سال تھا، جس میں بادشاہ و وقت کی شادی (ISHTAR) دیوی سے کر کے دنیا پر دیوتاؤں کی حکومت کا شکون لیا جاتا تھا۔

قدیم مصری مذہب میں تیوہاروں کے موقع پر پجاریوں کو اہم تقریبات ادا کرنا ہوتی تھیں جن میں دیوتاؤں کو کھلانا، ان کی آرائش، اور ان کے جلوس شامل تھے، ان کا سب سے بڑا تیوہار (OPET) کہلاتا تھا، جس میں عموماً دیوتا (AOMON) کی مورتی کو کشتی میں سجا کر حکومت وقت اقصا (LUXOR) سے کرنک (KARNAK) لے جاتا تھا، قدیم یونانی مذاہب میں تیوہاروں کا تعلق زراعت سے تھا، اور ان کا خاص جذبہ دیوتاؤں کی پوجا، دعوت عام، نارچ گانے اور کھیل تماشے تھے، قدیم رومی مذہب کا بھی تقریباً یہی حال تھا (MARS) کا تیوہار جنگ کے دیوتا کی یاد میں منایا جاتا اور (SATURN) کا تیوہار فصل کٹنے کے موقع پر جبکہ تمام سماجی پابندیاں ڈھیلی کر دی جاتیں اور لوگوں کو پوری آزادی دیدی جاتی تھی، اگرچہ تیوہار، زیادہ تربت پرستی کی یادگار تھے، لیکن ہر شہری کی وفاداری کا یہ تقاضا سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان میں پوری طرح حصہ لے۔

قدیم ایران کے دو تیبہاروں میں سے ایک نوروز تھا، جو سال نو کی آمد پر منایا جاتا اور دوسرا مہرجان، جو زرتشت کی پیدائش کے موقع پر آتا، اس کے علاوہ چھ موسمی تیبہار جو آسمانوں، پانی زمین، درخت، جانور اور انسان کی تخلیق سے متعلق تھے، ان میں سے ہر تیبہار ۵ دن تک منایا جاتا تھا، جنوب مشرقی ایشیا کے بدہست ممالک میں منائے جانے والے تیبہار نہ صرف بد مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ ان پر قدیم ہندو رسم و رواج کی چھاپ بھی دکھائی دیتی ہے، سال نو (TRUT) کے موقع پر بکشو، بدروحوں کو بھگاتے ہیں، مختلف دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے جن کا تعلق قدیم ہندو دیوتاؤں سے معلوم ہوتا ہے، ایک دوسرے پر پانی ڈالتے ہیں، اور تین دن تک جو اگھیلا جاتا ہے، اسی طرح بدھ کی پیدائش بسا اگھ کے مہینے میں چند راسنی کی رات کو (VISHAKHA) پوجا کے نام سے منایا جاتا ہے، ہندوؤں کے زیادہ تر تیبہاروں کا تعیین موسم کی رعایت سے کیا گیا ہے، دو تیبہار جن کا ذکر ویدوں میں ملتا ہے، جاٹے کے اخیر میں، بارش شروع ہونے، نیز موسم بہار کے موقع پر منائے جاتے تھے، قدیم ویدک تیبہار ان آریائی تیبہاروں سے بہت مماثل تھے، جنھیں انڈوپوین آریا مناتے تھے، لیکن ہندستان میں دراوڑ اقوام کے ساتھ اختلاف کے بعد ویدک تیبہار رفتہ رفتہ ختم ہو گئے اور ان کی جگہ موجودہ ہندو تیبہاروں نے لے لی۔

Encyclopediā Britannica, Vol. 9P. 125-28 (Ed. 1965) لکھ

ایڈورڈ گین اپنی تاریخ زوالِ روما میں لکھتا ہے :-

”مومن کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے ہر چار طون خطرات کی یلغار تھی، اور تیرہاڑوں کے موقع پر تو یہ آزمائشیں باعثِ زحمت بن جایا کرتی تھیں اور قدم قدم پر ان کا سامنا پڑتا تھا، کیونکہ یہ اوہام پرستیاں اور باطل عقائد کبھی خوشی اور مسرت کا لباس پہن کر سامنے آتے اور کبھی نیکی اور بھلائی کا روم کے مقبول ترین تیو ہاروں کے موقع پر کھلے عام اظہارِ عقیدت، مردہ روحوں کے ذکر و اذکار، موسم بہار کے آنے کی خوشی تخلیقی قدرت کی پرستش، شہر روم کا جشنِ بنیاد اور نیز جمہوریہ سے اپنی وفاداری کا اعلان ہوتا تھا، ان موقعوں پر عیسائی جس طرح اپنے کو اگ تھلگ رکھتے تھے، اس سے ان شرک آمیز رسوم سے نفرت کے جذبے کا اظہار ہوتا ہے، تیو ہاروں کے موقع پر یہ عام رسم تھی کہ دروازوں کو چرائیوں اور ٹہنیوں سے سجایا جاتا اور سڑوں پر پھول کے گجرے لپٹے جاتے، نظاہر یہ ایک بے ضرر جز اور اظہارِ مسرت کا ایک قدقدنی طریقہ معلوم ہوتا ہے، لیکن بدقسمتی سے دروازوں کو اس لئے سجایا جاتا تا کہ انکی پاسبانی کرنے والے دیوتا خوش ہوں، سروں پر گجرے اس لئے لپٹے جاتے کہ پھولوں کے گجرے دیوی (DAPHNE) کے عاشق کو عزیز تھے، اور غم و خوشی کے موقع پر ان کا استعمال اسی اوہام پرستی کا نتیجہ تھا۔

ایمان کو عزیز رکھنے والا عیسائی جسے اکثر اپنے ملک کے دستور کے مطابق، یا حکام کے احکام کی پابندی میں ان رسوم کی پابندی کرنا پڑتی

اپنے تفسیر کے خوف پر چرچ کی ملامت اور خدائی قہر کے ڈر سے لرزہ براندام
رہتا تھا! [

علامہ ابن تیمیہ کی رائے ہے کہ غیر اسلامی تقریبات میں شرکت کسی طرح جائز
نہیں، ان کا استدلال و استنباط (INFERENCE) تابعین کی ان تصریحات
پر مبنی ہے، جو انھوں نے "وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّكُوفَ وَإِذَا أُمِرُوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا
كِرَامًا" ۲۱۲۵ء کی تفسیر میں لکھی ہیں۔ انھوں نے زور "میں غیر مسلموں کی تقریبات
کو بھی مراد لیا ہے، ابو بکر انخلال نے جامع میں محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ زور
جیسا یوں کی عید شعا میں ہے، مجاہد کہتے ہیں "ہو اعیاد المشرکین" یہ مشرکوں کی
عید کو کہتے ہیں، ربیع بن انس "بھی میری رائے رکھتے ہیں، عکرمہ فرماتے ہیں "حب کان
لہم فی الجاہلیۃ" (یہ ایک جاہلی کھیل تماشہ تھا) قاضی ابوالعلی بھی اس سے عید
کفار ہی مراد لیتے ہیں، ابوشیخ اصغمانی نے ضحاک سے بھی یہی رائے نقل کی ہے، لیکن
ابوسنان نے ان کی رائے کلام جاہلیت کے بارے میں نقل کی ہے، عمرو بن مرہ سے
انھوں نے اس کا مطلب عیدوں میں شرکت نقل کیا ہے، اور عطار بن یسار سے حضرت
عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ "ایاکم ودرطانۃ کلا عجم وان تدخلوا علی المشرکین
یوم عیدہم فی کنائسہم" (نہ عجیبی زبان بولو اور نہ ان کی عید کے دن غیر مسلم
عبادت گاہوں میں جاؤ)

علامہ نے لکھا ہے کہ مفسرین کے اس باب میں مختلف اقوال آئے ہیں، وہ

GIBBON: DECLINE & FALL OF THE ROMAN EMPIRE ۱۵

VOL. 2 P. 18 (LONDON - 1309)

دراصل مختلف نہیں بلکہ اصلاً ایک ہی حقیقت کے مختلف پیرائے بیان ہیں، جو انھوں نے مخاطب کے حالات کے پیش نظر جواب میں دیئے، کوئی کانے کا شائق تھا تو اسے کہا کہ اس کا مطلب یہی ہے کوئی تماشا پسند تھا تو اسے بتایا کہ اس کا مطلب میاں ٹھیلے ہیں، جن میں حاضر ہی اس آیت سے منع ہے، البتہ بعض مفسرین نے اس کا مطلب جھوٹی گواہی سے بھی لیا ہے لیکن ابن تیمیہ اس کو نحوی ترکیب کے اعتبار سے غلط سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شہادت کا اصلہ ب سے آتا ہے اس لئے بالوجد ہونا چاہئے تھا، اور ایسا نہیں ہے تو وہ حضوری کے معنی میں ہے، جیسے ابن عباس کہتے ہیں: "وشہدت العید مع رسول اللہ" (میں عید میں حضور کے ساتھ گیا) حضرت عمر نے فرمایا: "الغنیة لمن شہد الوقعة" (غنیمت اس کے لئے ہے جو محاذ پر رہا ہو) لیکن اس خیال کے مفسرین کے لئے بھی اس طرح گنجائش ہے کہ زور میں خلاص واقعہ ہونا دونوں میں مشترک ہے، اس کے بعد وہ اس آیت پر اسے دیتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیدوں میں تماشائی اور حاضر ہی منع کر دی تو عملاً انھیں منانا کہاں جائز ہو سکتا ہے؟ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ آیت کا غالب مفہوم بھی یہی عملی طور پر عیدوں کا منانا ہی ہے جیسے قول زور (جھوٹ اور دوسری تمام غلط باتوں) سے رکھتے ہوئے کہا گیا: "انہم لیکفون منک ان القول حذراً" ۲: ۵۸

احادیث میں امتناعی احکام

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور سرور عالم جب مدینہ تشریف لائے تو سال میں دو دن جاہلی عید کا رواج دیکھا دریافت کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

نے تمہارے لئے اس سے بہتر دو عیدیں مقرر کی ہیں (ابوداؤد، احمد و نسائی)
 ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں تبدیلی کا لفظ بتاتا ہے کہ جب یہ دونوں
 عیدیں جاہلی عیدوں کی جگہ مقرر ہوئیں تو وہ عیدیں خود بخود منسوخ ہو گئیں اور
 منسوخی کے بعد پھر ان میں شرکت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہی ہوگی۔
 وہ فرماتے ہیں کہ جاہلی عیدوں کا خاتمہ بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے سختی کے ساتھ اس حکم
 پر عمل درآمد کرایا ہوگا، ورنہ اس کے بغیر پرانی روایت کا یکسر ترک کر دینا انسانی فطرت کے
 خلاف ہے ابوداؤد میں ثابت بن ضحاک کی روایت ہے کہ عہد نبوی میں کسی نے نذرانی
 کہ وہ بوانہ کے پاس ایک اونٹ ذبح کرے گا، چنانچہ حضورؐ سے جب اس نے اس کے
 بائے میں پوچھا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہاں کوئی بت تو نہ تھا؟ لوگوں نے کہا
 نہیں! پھر پوچھا کوئی جاہلی عید تو منقذ نہیں ہوتی تھی؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں! تب
 فرمایا اپنی نذر پوری کرو اس لئے کہ صرف وہ نذر نہیں پوری کرنا چاہئے جس میں مصیبت
 ہو اور وہ جو ابن آدم کے اختیار سے باہر ہو (صحیحین)

ابوداؤد میں میمونہ بنت کرم کی روایت ہے کہ میں حج میں حضورؐ کے ساتھ تھی
 حضور کو میں نے ایک اونٹ پر سوار دیکھا اور آپ ہاتھ میں معلمین کی طرح کا ڈھلے ہوئے
 تھے۔ میرے والد نے قریب جا کر پائے مبارک تھام لیا اور عرض کیا کہ حضورؐ میں نے
 نذر مانی تھی کہ اگر میرے ہاں اولاد نرینہ پیدا ہوگی تو بوانہ میں چند اونٹ ذبح کروں گا
 آپ نے یہ معلوم کر کے کہ وہاں کوئی بت نہیں، انھیں ایسے نذر کا حکم دیا، ابوداؤد میں
 بوانہ کو منظر کے قریب بیچ کے پاس ایک جگہ ہے جس کے متعلق وضاح الین کتاب ہے:

ایما تَحَلَّتْ وِادِی بَوَانَ حَبْدًا اِذَا نَامَ حَتَّى اسَا نَحْمِلُ جَنَّاكَ

عمر بن شعیب کی روایت ہے کہ ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آپ کے پاس دُف بجانے کی نذر مانی تھی، آپ نے فرمایا نذر پوری کر لے پھر اس نے کہا کہ میں فلاں مقام پر قربانی بھی کرنا چاہتی ہوں آپ نے اطمینان کرنے کے بعد اس کی بھی اجازت دیدی۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جب جاہلی سیلوں اور عبادت گاہوں پر کسی عقیدت مندانہ حاضری کو منع کر دیا گیا تو خود جاہلی عیدوں میں شرکت بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی۔

[عید "عود" سے نکلا ہے، جس کا مطلب لوٹنا اور بار بار آنا ہے، عید کو عید کے لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر سال آتی ہے تبتی کتاب ہے :-

عیدُ بایۃِ حالِ عدتِ یا عید

بما مضیٰ ۹۱ م کا مفید تجدید ۹۱

عید میں اجتماعی اور عوامی میلہ کی کیفیت بھی ضروری ہے جسے لوگ سال، ہینہ ہفتہ میں مناتے ہوں، جمعہ کے لئے حضور نے فرمایا کہ اسے اللہ نے مسلمانوں کے لئے عید کا دن بنایا ہے، عید اجتماع اور عبادت و اعمال کے لئے بھی آتا ہے، جیسے ابن عباس کہتے ہیں، میں حضور کے ساتھ عید میں حاضر ہوا، اور کسی خاص مکان کے لئے بھی آتا ہے، جیسے حضور نے فرمایا میری قبر کو عید نہ بنانا، اور کبھی سب کے لئے ایک ساتھ بولا جاتا ہے، جیسے حضور نے حضرت ابو بکر سے فرمایا: ابو بکر! انھیں گانے دو ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے، اور یہ ہماری عید ہے۔"

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بعض جاہلی حمدیں اور عید گاہیں ایسی بھی تھیں جو مذہبی نہیں تھیں، بلکہ کھیل تماشوں اور سیلوں کی جگہیں تھیں، لیکن آپ نے ان سے بھی

روک دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کی چھاپ لگی ہوئی کوئی چیز حدود اسلامی میں
سکھ راج نہیں بن سکتی۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عید کے دن میرے
ہاں دو بچیاں کچھ گا رہی تھیں کہ اتنے میں میرے والد شریف لائے اور اس پر ناپسندیدگی
کا اظہار کیا لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ ان سے درگزر کرو، ہر قوم عید مناتی ہے اور راج
ہماری عید ہے، ایک روایت میں ہے: > عہمایا ابابکرؓ فانھا ایام عید و تلاء
الایام ایام منیٰ (ابو بکرؓ اچھوڑو بھی۔ یہ عید کے دن ہیں، اور یہ دن حج و قربانی
کے دن ہیں)۔

شیخ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے: ان لکل قوم عیداً، تو یہ ایسا ہی ہے
جسے قرآن میں کہا گیا:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ حِجَّةٌ ۚ هُوَ مَوْجِدُهَا (۱۲۸:۲)

ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جس کا وہ رخ
کرتا ہے۔

یا حبیبے ارشاد ہوا:

لِكُلِّ جَعَلْنَا مَنَاسِكَ شَرْعَةً لِّكُلِّ قَوْمٍ ۚ

ہم نے سب کے لئے شریعت و طریقت
بنائی ہے۔ (۲۸:۵)

یہ فلسفہ تاریخ کے مسلمات میں داخل ہے کہ ہر قوم ایک ممتاز تہذیبی خصوصیت
کی حامل اور مخصوص طرز زندگی پر عامل رہی ہے، اس لئے جس طرح ہم غیروں کے دین و
شریعت میں شریک نہیں، تہذیبی شعائر میں حصہ دار نہیں اسی طرح ان کی عیدوں، ایلوں
اور تیوباروں سے بھی ہمیں الگ رہنا ہے، حدیث میں ”ھذا عیدنا“ (یہی ہماری
عید ہے) کا جملہ صبر بتاتا ہے کہ اس کے سوا ہمارے لئے اور کوئی عید نہیں۔

حدیث میں ارشاد ہوا:

یوم عرفہ، ویوم النحر، ویام منیٰ
 یوم عرفہ، یوم قربانی، اولیام تشریق ہم
 عیدنا اہل الاسلام وہی ایام اکمل
 اہل اسلام کی عید کے اور کھانے پینے کے
 وشرب“ (ابوداؤد نسائی، ترمذی) دن ہیں۔

شیخ الاسلام نے ایک تاریخی حقیقت سے استدلال کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں
 یہود و نصاریٰ اور دوسری قومیں آباد تھیں اور قومی پہلے پر اپنے تئوں ہا رکھی مناتی تھیں
 لیکن آنحضرت کے حکم کے بعد کوئی مسلمان کبھی ان تیوہاروں سے متعلق نہیں ہوتا تھا،
 اس سے یہ بات فطرۃ طے ہو جاتی ہے کہ جب صدر اسلام میں غیر اسلامی تقریبات سے
 علیحدگی ہی اختیار کی گئی تو وہی طرز عمل آج بھی ہمارے لئے نمونہ رہے گا۔

اگر ان تقریبات میں کسی مسلمان کا تفریحاً جانا ثابت بھی ہے تو وہیں یہ بھی ہے کہ
 حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف حکم انشائی جاری کیا تھا۔

فجر اسلام میں کس طرح مسلمانوں کے ذہنوں میں ان کی قومی عید کا تصور بٹھا گیا
 اس کا اندازہ دو حدیثوں سے ہوگا، صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ
 حضور نے فرمایا:

فن الاخرون السابقون یوم النحر
 ہم آفرین ہو کر بھی اول رہیں گے سوا اس کے
 کہ انھیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی، لیکن
 بیوا انھم اولو الکتاب من قبلنا و اوتینا
 من بعد ہم فھذا یوم ہم الذی
 جمعہ کے دن میں انھوں نے اختلاف کیا
 اور اللہ نے ہماری صحیح رہبری کی اس لئے
 فرض احدث علیہم فاختلفوا فیہ
 فھذا انما احدثہ لہ فالناس لنا فیہ
 لوگ اس معاملے میں ہمارے تابع ہیں،

تبع: اليهود وعدنا والنصارى بعد غد
 دوسری روایت:

اضل الله عن الجمعة من كان قبلنا
 فكان لليهود يوم السبت وللنصارى
 يوم الاحد فجاء الله بنا فهذا اليوم
 الجمعة فجعل الجمعة والسبت والاحد
 وكذا اللهم تبع لنا يوم القيامة نحن
 الاخرون من اهل الدنيا والاخوان
 يوم القيامة المقضى لهم (مسلم)

انگلی امتوں کو جمعہ سے خدا نے فاضل کر دیا،
 یہود شنبہ کو اور نصاریٰ یکشنبہ کو جمعہ
 سمجھ بیٹھے لیکن اللہ نے ہمیں جمعہ کا حصہ دار
 بنایا، اسی طرح وہ قیامت میں بھی ہمارے
 تابع ہوں گے، ہم دنیا کی آخری امت
 ہیں لیکن قیامت میں ہمارا حساب سب سے
 پہلے ہوگا۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان هذا كلامه اول من يدخل
 الجنة من الامم وان محمدا
 اول من يفتح له باب الجنة،

یہ امت سب سے پہلے جنت میں جائیگی
 اور محمد رسول اللہ پہلے شخص ہوں گے جن کے لئے
 باب جنت کھلے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کے مولا کریم کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ اور دوسرے
 اصحاب نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس یہ سوال بھیجا کہ آنحضرتؐ کس دن
 زیادہ روزہ رکھتے تھے؟ انھوں نے کہلایا کہ شنبہ و یکشنبہ کو زیادہ تر روزے رکھتے اور
 فرماتے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی عید کے دن ہیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ روزہ رکھ کر
 ان کی مخالفت کروں۔ (انہما یوما عید للمشرکین فانما احب ان ینالھم)

(احمد نسائی)

مسئلہ پر صحابہ کا اجماع

حضرت عمرؓ نے ذمیوں پر شرط لگا دی تھی کہ وہ اپنی عیدوں اور نیوہاروں کا مظاہرہ نہیں کریں گے اور تمام صحابہؓ بھی اس فیصلے میں ان کے ساتھ تھے اس سے معلوم ہوا کہ جب اس میں اتنی شدت ہے کہ خود غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں اس کے اظہار کی اجازت نہیں تو خود مسلمانوں کا اس میں شریک ہونا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے، ابو شیخ اصہبائی کی روایت عطار بن یسار یا بن دینار سے ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہ عجمی بولی بولو نہ عید کے دن ان کے گرجوں میں جاؤ۔ یہی روایت کی ہے جس میں اس کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ "ان پر غضب نازل ہوتا ہے" سیفان ثوری حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

من نبی بلاد الا عاجم ومنع یروزم جو عجم میں رہا سہا، نوروز اور دوسری عیدیں منانا
ومہرجانہم وتشبہم حتی یوت اور ان کی نقل کرنا حتیٰ کہ مر گیا تو وہ قیامت
وهو کذلک: حشر معہم یوم القیامة میں انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

حضرت عمرؓ سے دوسری روایت ہے کہ:

اجتنبوا اعداء اللہ فی عیدہم خدا کے دشمنوں کی عید سے بچو۔

محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فیروز کے موقع پر اپنی زبان سے یہ لفظ

بھی کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

شیخ الاسلام نے امام ابو الحسن آمدی معروف بہ ابن البخاری کی کتاب عمدۃ الخاضع

کفایۃ المسافر سے ایک اقتباس نقل کیا ہے:-

امام احمد کے ہاں ان تقریبات میں شرکت ممنوع ہے، لیکن عید کے دن ان کے بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے جایا جاسکتا ہے (فاما ما یباع فی الاسواق من الماکل فلا وان قصد الی توخیر ذالک وتحسینہم لاجلہم) اسی سے معلوم ہوا کہ مسلمان و کاندرا ان عیدوں میں غیر مسلموں کے لئے اپنی دکان لگا سکتا ہے، خلال اپنی جامع میں لکھتے ہیں کہ منہانے اپنے اتاد امام احمد سے پوچھا کہ مسلمان غیر مسلم تقریبات میں گائے، بکریاں، غلام، بچہ، گھوڑا وغیرہ کی تجارت کے لئے جاتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ امام نے فرمایا کہ اگر عبادتی جگہوں پر نہیں جاتے تو جائز ہے۔

غیر اسلامی زبانوں کا مسئلہ

ابو محمد کرمانی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے عجمی ہندینوں کے نام کے متعلق پوچھا تو انھوں نے اسے سخت ناپسند کیا۔

لے عربی زبان وہ واحد زبان ہے جسے احادیث میں اسلامی زبان کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے، اسکے علاوہ فارسی، اور اردو دنیا کی وہ زبانیں ہیں جن کا خاص تعلق مسلمانوں سے ہے اور مسلمان انھیں دوسری اسلامی زبانیں سمجھتے ہیں، لیکن بہر حال وہ عربی کے تقدس کو نہیں پہنچ سکتیں، زبان کے مسئلہ میں ہمارے اسلاف نے کبھی تنگ نظری سے کام نہیں لیا، احمد نبوی میں کئی صحابیوں کے نام ملتے ہیں جو عربی ہیرانی، قطعی، رومی، حبشی زبانیں جانتے تھے، لیکن ایک ہے زبان کو خدمت دین اور اشاعت حق کے لئے سیکھنا اور استعمال کرنا اور ایک ہے ان سے مرعوب ہو کر اور زمانے کا چلن دیکھ کر انھیں اپنانا، اسی دوسری صورت کو فقہاء اور علمائے اسلام نے غلط بتایا ہے، جو کسی تعصب کی دلیل نہیں بلکہ قومی خودی کی حماقت کے لئے ضروری ہے، یورپین زبانوں اور خصوصاً انگریزی سے تعلق خاطر رکھنے والوں نے (باقی صفحہ)

حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ وہ آذر ماہ اور دی ماہ کہنا مکروہ سمجھتے تھے، ابو محمد نے ان سے پوچھا کہ اگر کسی کا نام ہی ایسا ہو تو کیا وہ لیا جاسکتا ہے؟ آپ نے اسے بھی (باقی صفحہ کا) جس طرح اسلامی تہذیب سے قطع تعلق کیا وہ اب تک مشاہدہ میں آتی رہتی ہے۔

اب یہ طے شدہ ہے کہ زبان و ادب کسی قوم کی روح کا آئینہ ہوتے ہیں اور اس کی تہذیب تمدن کا ایک لازمی عنصر کسی لئے کسی غیر زبان کو اپنانے کا مطلب دوہی باتیں ہو سکتی ہیں کہ یا انسان اخلاص کے ساتھ صرف زبان کی حد تک اس سے اعلائے حق کا کام لینا چاہتا ہے یا پھر ذہنی اور نفسیاتی طور پر اس زبان سے وابستہ ہونے والی قوم سے مرعوب ہے، فقہائے احناف نے زبان کے مسئلے میں اتنے توسع سے کام لیا ہے کہ اگر کوئی عربی کوشش کے باوجود نہیں بول سکتا تو وہ اپنی عربی زبان ہی میں نماز پڑھ سکتا ہے، اور نہ جس حد تک انسان عربی استعمال کر سکتا ہے اسے کرنا چاہئے۔

آگے ائمہ اور علماء کے جو بیانات غیر عربی زبانوں کے سلسلے میں آئیں گے ان سے پہلے یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ان لوگوں نے یہ رائے اس خیال سے ظاہر کی تھیں کہ اسلام عر قی م اور عربی زبان کے واسطے سے پھیل رہا تھا اگر شروع میں عربی ثقافت کو یہ اہمیت نہ دی جاتی اور عربی زبان پر یہ زور نہ دیا جاتا تو اسلامی ثقافت کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ تھا۔ صدر اول کے مسلمانوں کی فطری طور پر یہ خواہش تھی کہ اسلام جس زبان کے ذریعہ ہم تک آیا ہے ہم اسکی حفاظت کا سامان کریں، اگر اس وقت وہ اس پر زور نہ دیتے تو نہ عربی زبان محفوظ رہتی اور نہ اس میں موجود اسلامی تعلیمات کا ذخیرہ اس کے علاوہ ان لوگوں کو منافقوں اور سازشی لوگوں کا سامنا تھا جو دوسری زبانوں میں ادائے مطلب اور اہتکافے حال کرتے تھے اسلئے بھی دوسری زبانوں کے معاملہ میں سخت رویہ اختیار کیا گیا۔

بعد میں جب یہ ٹونڈ نہ ہوئی اور دوسری زبانوں میں بھی اسلامیات کا ذخیرہ ہو گیا تو دوسری زبانوں کو بھی رعایتیں ملیں حتیٰ کہ امام اعظمؒ نے بھی زبان میں ادا تہذیب تک کی اجازت دیدی (مرتباً)

مکروہ سمجھا انھوں نے کہا کہ میں نے اسحاقؒ سے پوچھا تو انھوں نے کہا اگر ان میں کوئی مکروہ (یعنی خلاف اسلام) نام نہ ہونے کو گنجائش ہے، ابن المبارکؒ "یزداں" کی حلف کو مکروہ سمجھنے اور فرماتے تھے کہ مجھے ڈر رہتا ہے کہ ان ناموں میں غلط مشرکانہ تصور آئے ہوں شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ عجمی ناموں کی کراہت کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشرکانہ ہوں اسی ڈر سے عجمی زبانوں کے گندے تعویذ مکروہ ہیں کراہت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے آدمی دوسری زبانیں بولنے کا عادی بن جاتا ہے اور عربی کی اہمیت اس کے دل سے نکل جاتی ہے، حالانکہ عربی اسلام کا شعار اور مسلمانوں کا وقار ہے، اور زبان یوں بھی کسی قوم کا سب سے بڑا امتیاز اور اعزاز ہوتی ہے۔

فقہاء کے ہاں نماز کو غیر عربی میں پڑھنے میں اختلاف ہے، لیکن اس کے تین درجے کئے جاسکتے ہیں ایک قرآن، دوسرے اذکار واجبہ جیسے تحمید اور سلام و تہنید ان کے ہاں جو انھیں واجب کہتے ہیں، پھر تیسرے درجے میں دعا، تسبیح، تکبیر وغیرہ۔ قرآن کا حکم یہ ہے کہ اسے غیر عربی میں نہیں پڑھا جاسکتا، خواہ قدرت ہو یا نہ ہو اس سے کوئی بحث نہیں، اذکار واجبہ میں بھی امام احمد امام مالک اور اسحاق کی رائے ہے کہ ان کا ترجمہ بھی نہیں کیا جائیگا، امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور دوسرے اذکار میں بھی علماء کی تصریحات یہی ہیں کہ ترجمہ نہ ہوں گی بلکہ اس سے نماز باطل ہو جائیگی، یہی امام مالک، اسحاق اور بعض اصحاب شافعی کا قول ہے، لیکن امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ مکروہ ہے لیکن نماز باطل نہ ہوگی، اور اصحاب امام احمد معذور کے لئے ترجمہ کی اجازت دیتے ہیں اور دوسرے احکام میں عجمی زبان سے جو فرق پیدا ہوتا ہے ان کی تفصیلات فقہ میں

مذکورہ ہیں۔۔۔ اس کے علاوہ دوسرے فنون میں غیر اسلامی زبانوں کا استعمال اگر لاعلمی کے ساتھ ہوتا تو ناروا ہے اور زبان سے واقفیت کی حالت میں بھی امام احمدؒ سے مکروہ سمجھتے ہیں، امام احمد سے نمازیں دعا کے لئے ان زبانوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انھیں بری زبان (انسان سوء) قرار دیا، امام مالک فرماتے ہیں عجمی زبان میں نہ تحریرہ باء ہے، نہ دعا مانگے، نہ قسم کھائے۔

سلفی نے امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اللہ نے کاروباری لوگوں کو تاجر کہا اور رسول اللہؐ بھی اس قوم کے لئے "تجار" کا لفظ استعمال کرتے تھے، لیکن "سماسرہ" عجمی لفظ ہے اس لئے ہم عربی جاننے والوں کی زبان سے یہ لفظ سننا نہیں چاہتے، کیونکہ اللہ کی محبوب زبان عربی ہے۔

ابو بکر ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ما تعلم الرجل الفارسیة الاخت، ولاخت رجل الا انقصت من وعینہ۔ (کوئی فارسی پڑھتا ہے تو وہ جیلہ باز ہو جاتا ہے اور جو ایسا ہو اس کی شرافت میں نقص آیا) اس میں سعد بن ابی وقاصؓ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے کسی کو فارسی بولتے دیکھ کر فرمایا، ما بال المجوسیة بعد الخنیفیة؟ (دین خالص کے بعد یہ مجوسیت کہاں سے آگئی؟) سلفی ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: من یمس ان یتکلم

لہذا اس وقت کہا گیا تھا جب ایران تازہ تازہ فتح ہوا تھا اور ملکی مصاحح اسکے متفقین تھے کہ عربی کو سرکاری زبان کے طور پر رائج کیا جائے تاکہ خود مسلمان فارسی زبان سمجھنے لگیں، چنانچہ اموی دور میں بہت سے ایرانی و فاترین بھی کام کرنے لگے اور پھر فارسی آگے چل کر عربی کے بعد دوسرے نمبر کی اسلامی زبان ہو گئی (مرتب)

بالعربیۃ فلا ینتکلم بالعجمیۃ فانہ یورث النفاق (جو اچھی طرح عربی بول سکتا ہے وہ عجمی نہ بولے کہ یہ نفاق پیدا کرتی ہے) انہی کی دوسری روایت ابن عمر کے واسطے سے حضرت عمرؓ سے اسی طرح ہے، اکاد کا عجمی لفظ یا کبھی کسی ضرورت پر غیر عربی کا استعمال بالکل جائز ہے، اسلاف سے اس کی روایت ملتی ہے، ابوخلدہ کہتے ہیں، ابو العالیہ نے مجھ سے فارسی میں گفتگو کی، منذر الثوری کہتے ہیں کسی نے محمد بن الحنفیہؓ سے "جنز" کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ایک جاریہ کو خرید کر لانے کا حکم دیا اور دکھایا، مخاطب کی رعایت سے تو خود آنحضرتؐ سے غیر عربی زبانوں میں کلمات ثابت ہیں، ام خالدہ بنت خالد بن سعید بن العاص جہنہ کی ایک کم عمر مہاجرہ تھیں واپسی پر انہیں حضورؐ نے ایک نمین پہنائی اور فرمایا: "یا ام خالدہ انا ہذا اسنا" (ام خالد! یہ سنا ہے) سنا، جہنہ میں حسن کے لئے آتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ کسی کو درد شکم میں مبتلا دیکھ کر حضورؐ نے فارسی میں دریافت فرمایا: "اشکم ببردہ کیا پیٹ میں درد ہے؟ ان استثنائی حالتوں کے علاوہ کسی غیر زبان کا مادری زبان بنالینا انفرادی سطح پر بیچو یا اجتماعی طور پر یہ حالت میں مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ کھلا ہوا تشبہ اور صراحت، ذہنی غلامی اور موعوبیت ہے جس کا ایک منٹ کے لئے بھی اسلام روادار نہیں ہو سکتا، اسی لئے اگلے مسلمان جب مصر و شام آئے تو انہیں رومی زبان سے واسطہ پڑا، عراق و خراسان میں فارسی سے سابقہ ہوا، افریقہ میں بربری سامنے آئی لیکن ان کی تین آفریں اور تاریخ ساز ہمتوں نے لہ ابن جریر کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ کو پیٹ کے بل لیٹے دیکھا تو فرمایا: (اشکم درد) کیا پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: کہ تو کھڑے ہو کر کچھ نماز پڑھو کہ نماز شفا ہے (تغیریں کشیدہ) (ترجمہ)

عربی کو اس طرح راج کیا کہ دوسری زبانوں کا پتہ بھی نہ چلا، اس کے بعد طاہوس و رباب کے دور میں انھوں نے زبان کے معاملے میں غفلت برتنا شروع کی جس کے نتیجے میں مقامی زبانیں سراٹھانے لگیں شیخ فرماتے ہیں:

واعلم ان اعتیاد اللغة یؤثر فی العقل
والمخلق والذین تاثیر اقویاً من
و یؤثر الذی فی متشابهة صدر هذه
الامة من الصحابة والتابعین ومثلاً؟
تزیید العقل والذین والمخلق والیضاً
فان نفس اللغة العربیة من الذین
ومعرفتها فرض واجب فان فهم
الکتاب والسنة فرض ولا ینفهم الا بفهم
اللغة العربیة ولا ینتم الواجب
الایہ فهو واجب۔

عربی زبان عقل، اخلاق، اور دین پر کھلے طور پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور صحابہ و تابعین کی مشابہت پر بھی ابھار سکتی ہے جو عقل و خلق اور دین میں ترقی کا باعث ہوگی اس لئے یہ زبان دین کا جز ہے، اور اس کا جاننا فرض اور واجب اس لئے کہ کتاب و سنت کا فہم فرض ہے جو عربی جانے بغیر نہیں ادا ہوتا، اور جس سے کوئی واجب پورا ہوتا ہو تو وہ پیر بھی واجب ہو جاتی ہے۔

ابو بکر ابن ابی شیبہ نے مصنف میں لکھا کہ حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعریٰ کو لکھا:

اما بعد فتفقہوا فی السنة وتفقهوا
فی العربیة و احرلوا القرآن فانه عربی
سنت کا علم حاصل کرو اور عربی کا علم بھی اور قرآن کو صحت کے ساتھ پڑھو کہ وہ بھی عربی میں ہے۔

حضرت عمر سے روایت ہے تعلموا العربیة فانها من دینکم وتعلموا الفرائض فانها من دینکم، (عربی اور علم الفرائض سیکھو یہ تمہارے دین کا جز ہیں)

غیر اسلامی عیدوں پر تفصیلی نظر

غیر اسلامی عیدوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ غیر اسلامی تہذیبوں کا سب سے بڑا رزم اور ان کی سب سے بڑی علامت (SYMBOL) ہوتی ہیں اس لئے ان میں شرکت کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ مسلمان سب سے بڑے شکارِ کفر اور علامتِ شرک کو اپنانے بلکہ تمثیلی طور پر یوں کہنے کہ یہ تیوہار بھی غیر اسلامی شریعت و شعائر ہیں جنہیں اسلام نے منسوخ کر دیا ہے کہ (ہم سچے شتر است) ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ان عیدوں میں شرکت کم از کم بدعت کے ارتکاب سے قریب تو رہی ہے، اس لئے ہم مانتے ہیں کہ مسلمان انکے خالص جہادتی پروگرام میں شریک نہیں ہونا، لیکن دوسرے کھیل تماشے اور آرائش و نمائش تو بہر حال عید ہی کا حصہ ہیں، اس طرح ان میں جانا بھی شرکت ہی کے ہم معنی ہے ان تیوہاروں پر ایک اور طرح سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم اگر شرکت کی کوئی صورت جائز کہنے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دھیرے دھیرے عام شرکت کی اجازت بھی دیتے ہیں اس لئے کہ رفتہ رفتہ عوام اس میں دھچپی لینے لگیں گے اور پھر وہ کسی کے روکے نہیں رکھیں گے، چنانچہ صومِ نصاریٰ کے خاتمہ پر بعض علاقوں کے مسلمان بھی ان کے ساتھ خوشی مناتے اور عیدِ بقرعید سے بڑھ کر اہتمام کرتے تھے، خود میں نے دمشق وغیرہ میں دیکھا ہے کہ لوگ کس طرح حدود کو توڑتے ہیں (حالانکہ یہ وہ شہر ہے) جہاں علم و ایمان کی کمی نہیں۔

ساتھ ہفتوں کے روزے کے آخر میں نصاریٰ پنچشنبہ مبارک جس کو غالباً MAUNDY کہا جاتا ہے

لے کر اسکی روایت یہ ہے کہ اسی میں حضرت مسیحؑ نے شاگردوں کے پاؤں دھوئے تھے اور یہ دن ۴۰ دن کا ہوتا ہے جسکے آخر میں ایسا آتا ہے۔

مناتے ہیں، جو شمسی سال کے کسی حصہ میں بھی پڑ سکتا ہے اس لئے کہ اس کی کوئی حد متعین نہیں، جیسے وہ جمعرات جو نisan (اپریل) کے شروع میں منائی جاتی ہے، بلکہ وہ ۳۳ دنوں میں بھی پوری ہو جاتی ہے، جس کی پہلی شباط (فروری) کی دوسری سے پہلے اور آذار (مارچ) کی دوسری کے بعد نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس میں شمسی اور قمری دونوں تاریخوں کا لحاظ رکھتے ہیں، لیکن یہ سب تینوں ہار بدعت ہیں اس لئے کہ شریعت عیسوی میں تمام اوقات چاند ہی سے متعین کئے گئے تھے، اسی طرح جمعہ صلیب کے مقابل جمعہ صلبوت مناتے ہیں اسی سے متصل دوسرے دن شبہ کی رات مناتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس رات میں مسیح قبر میں تھے، اسے وہ لیلۃ النور اور صبت النور بھی کہتے ہیں، اس رات ایک خر تہ بناتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ نور کسیتہ القمامہ (بیت المقدس) میں نازل ہوتا ہے، جسے وہ اپنے ہاں لاتے ہیں، پھر یکشنبہ کو عید کبیر (EASTER SUNDAY) ہوتی ہے، جس میں سمجھا جاتا ہے کہ مسیح جی اٹھے تھے، پھر اس کے بعد والے اتوار کو یکشنبہ جدید (NEW SUNDAY) کے طور پر مناتے ہیں، چربی اور ذی روح کے گوشت سے پرہیز کرتے اور پھر انڈا، گوشت اور دودھ سے افطار کرتے ہیں، اس طرح کی اور دوسری بدعتوں کا وہ از نکاب کرتے ہیں، اس کا ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہودی اگرچہ کسی نئی شریعت اور نئے رسول کے قائل نہیں اور نہ نسخ مانتے ہیں، لیکن عیسائی اس کے قائل ہیں، اور اپنے پوپ، پادریوں کو شریعت میں تبدیلی کی اجازت دیتے ہیں۔

یہ تفصیل اس لئے ضروری تھی کہ مسلمان بھی ان کے زیر اثر آچکے ہیں اور وہ بھی اس موقع پر اپنے قبرستانوں میں چراغاں کرتے اور بخور جلاتے اور سمجھتے ہیں کہ اس سے

برکت ہوگی اور مصیبت دور ہوگی، نکلے میں تعویذیں چھوٹے ناتوس کی طرح پہنتے ہیں، اور دروازوں پر صلیب کا نشان بھی بنا لیتے ہیں، اور تو اور بعض لوگ زبردستی چند سے سے یہ تقریبات مناتے ہیں اس طرح وہ مالِ مسلم کے غضب اور اقامتِ باطل دونوں جرموں کے مرتکب ہو جاتے ہیں، بعض لوگ ان مواقع پر خاص رنگوں سے گھروں کو رنگتے ہیں جو کسی عظیم منکر سے کم نہیں ہوتا۔

اسی طرح نصاریٰ اپنے روزے کی آخری جمعرات اور جمعہ کو بڑی دھوم سے مناتے ہیں اور روزے کے پہلے اتوار کو عیدِ شانین مناتے ہیں جس میں برگِ زیتون نکالے جاتے ہیں وہ اس کی یادگار ہوتے ہیں کہ مسیح جب بیت المقدس آئے تو یہودیوں نے انھیں تانے کے لئے اوباشوں کو پیچھے لگا دیا تھا، انھوں نے جب لاٹھیاں اٹھائیں تو ان میں پتے نکل آئے، جس پر انھوں نے توبہ کی اور اپنے ارادے سے باز رہے۔

جمعرات کو وہ عید المائدہ (HOLY COMMUNION, OR, LAST SUPPER) اور اتوار کو عید الفصح (EASTER) کے طور پر مناتے اور رنگے ہوئے انڈے تقسیم کرتے ہیں، چھوٹی چیزوں میں غفلت کا انجام یہ ہوا کہ بعض لوگ کفر صریح تک بھی پہنچ گئے جیسے صلیب سے تبرک حاصل کرنا، اوستیسیمہ دینا، یا کسی کا کمناکہ معبود تو ایک ہی ہے لیکن اس تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں، یہ سب باتیں بلا اختلاف کفر بالشر اور انکارِ اسلام ہیں، "سید ذرائع" شریعت کا منفق علیہ جزئیہ ہے، میں نے اپنی کتاب "اقامة الدلیل علی بطلان التخیل" میں اس کے ۳۰ دلائل لکھے ہیں، اور عیدوں کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ کس طرح عقیدہ و عمل پر اثر انداز ہوتی ہیں اسی لئے

ہر مذہب و تہذیب میں ان کا ایک خاص مقام رہا ہے:

وَكُلُّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا لَهَا مِنْكُمْ رَسُولًا
ہم نے ہر امت کے لئے اجتماعی دن بنا لے

(۶۷: ۲۲) جنہیں لوگ جمع ہو کر مناتے ہیں۔

وَكُلُّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا لَهَا مِنْكُمْ رَسُولًا
ہم نے ہر امت کے لئے ایام حج بنا لے

اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنْ بَهِيمَةٍ
تاکہ اپنی رزق پر خدا کا نام

الأنعام۔ (۲۴: ۳۷) لیں۔

حجۃ الوداع میں یوم نحر میں تکمیل دین کا جب اعلان ہوا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اب مسلمانوں کو اپنی شریعت کو قلب و روح کی غذا اور ہر درد و الم کی دوا سمجھنا چاہئے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ وہ ان کی ادب و عیب ان یوتی مادہ ہے و ان مادہ اللہ ہی القرآن (ہر دعوت دینے والا چاہتا ہے کہ لوگ اسکی دعوت میں آئیں خدا کی دعوت قرآن ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اسے پڑھیں) جسم کی خصوصیت یہ ہے کہ جب ایک کھانے سے سیر ہو گیا تو دوسرے کی طرف رغبت نہیں کرتا اور زبردستی کھاتا ہے تو نخمہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح جو غیر اسلامی تہذیبوں کے اثرات سے دل و دماغ بسالیتا ہے وہ اسلام کی طرف کیونکر مائل ہو سکتا ہے:

وودل بون دریں رہ سخت ز عیب است سالکرا

نخل ہستم ز کفر خود کہ دارد بوسے ایماں ہم! (شلیع)

آپ دیکھیں گے کہ جو "یاران طریقت" اصلاح قلب کے لئے دجرو و سماع کا سہارا لیتے ہیں اتنے ہی وہ قرآن سے دور ہو جاتے بلکہ کبھی کبھی اسے ناپسند بھی کرنے لگتے ہیں

اور جو لوگ درگاہوں اور آستانوں پر سفر کر کے حاضری دیتے رہتے ہیں، ان کے دل سے حج بیت اللہ کا ذوق و شوق نکل جاتا ہے، جو روم و ایران اور دنیا کے فلسفوں میں حکمت و معرفت تلاش کرتا رہتا ہے، اس کے ذہن و دماغ میں "حکمت یونانی" کی پرچھائیاں تو اپنا سایہ ڈال دیتی ہیں، لیکن "حکمت ایمانیاں" کی تجلیاں نکل جاتی ہیں، اور جو قصے کہانی اور افسانہ تاریخ اور ڈرامہ کا دلدادہ ہو جاتا ہے تو انبیاء و مرسلین کی حکایات اور سیرتوں سے اکتانے لگتا ہے، اسی لئے حدیث نبوی میں ہے کہ ما ابتدع قوم بدعة الا نزع الله عنهم من السنة مثلها (احمد) اس کے بقدر سنت سے محروم کر دی جاتی ہے

شرکت و صحبت اور مشابہت و معاشرت کا اثر جس طرح انسانوں پر ہوتا ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، حدیث میں آتا ہے کہ انسانی طبیعتیں چور ہوتی ہیں، یعنی عادتیں نور اپنا لیتی ہیں "الطبائع سواقة" انسان تو انسان آدمی تو جانوروں تک سے عادات و اخلاق سیکھ لیتا ہے اونٹ کے ساتھ رہنے والے اکثر فخر و غرور میں مبتلا پائے جاتے ہیں، بکری چرانے والے عموماً رحم دل ہوتے ہیں اسی طرح اونٹ اور چر کے سواروں میں ان کے اخلاق پیرا ہو جاتے ہیں، کتوں کو پالنے والے بھی بعض عادتوں میں کسی نہ کسی طرح ان کے مشابہ ہو جاتے ہیں، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جو یہودی اور عیسائی اسلامی ممالک میں رہتے ہیں ان کا کفر ہلکا ہو جاتا ہے، اور جو مسلمان ان سے میل جول رکھتے ہیں، ان کے ایمان میں خلل اور فتور آ جاتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان دشمنانِ خدا کی دوستی دل میں گھر کر لیتی ہے، حالانکہ ان کے لئے صاف حکم ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ
وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ
بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فإِنَّهُ
مِنْهُمْ إِنَّ احْتِلَافَ لَأَيُّهَا النَّاسِ
الظَّالِمِينَ؛ (۵: ۵۱)

سو منو ایہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ لوگوں کے
بعض دوست ہو سکتے ہیں اور تم میں سے جو
ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہوگا
الشرظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔
(آیات ۵: ۷۷، ۵۸، ۲۲ بھی اسی مفہوم
میں ہیں)

شُرکت و مشابہت کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک میں انسان غیر شعوری طور پر یہ حرکت کرتا ہے، دوسری میں جان بوجھ کر کرتا ہے جو کفر ہے، ایک صورت یہ ہے کہ اسے خبر ہی نہیں کہ یہ دوسروں کا عمل ہے، اس صورت میں گناہ تو نہ ہوگا، لیکن علم کے بعد تو یہ ضروری ہے پھر بعض رسوم ایسے بھی ہوتے ہیں جو عیسائیوں کے مذہب سے ماخوذ نہیں ہوتے لیکن انہیں عیسائی مناتے ہیں تو ان سے مسلمانوں کو بچنا ہی ہوگا کیونکہ ان کی مخالفت ہی مطلوب شریعت ہے۔

غیر اسلامی تقریبات میں شُرکت و مشابہت صرف عملی شُرکت ہی پر موقوف نہیں بلکہ کسی طرح بھی ان سے مشابہت، شُرکت ہے، جیسے مخصوص خوشبوؤں کی خرید و فروخت، عیسائی تیوباروں میں انڈسے کی تجارت، گالیوں کو سرخ نفلے سے رنگنا، درختوں کو ٹیکہ لگانا، زیتون سے نمانا، صنعت و تجارت اور علی مقامات میں تعطیل منانا بھی شُرکت ہی ہے، جاڑوں میں "کالون الاول" (دسمبر) کی ۲۴ کو عیسیٰ کے یوم ولادت کے طور پر منانا اور روشنی کرنا "عید الفطاس" (پتسمہ) منانا، یہودیوں کے تیوبار اور نیروزد و ہر جان سب کفر کے مختلف مدارج ہیں۔ ان مواقع پر مسلمان

آپس میں بھی کوئی عمل ہدیہ اور خرید و فروخت وغیرہ ایسا نہیں کریں گے جن میں انکار کی مشابہت اور ان کی اعانت ہوتی ہو، کفار سے عید کے موقع پر خرید تو سکتے ہیں لیکن کوئی مسلمان بازار کفر میں دکان لگانا چاہے تو یہ جائز نہیں جیسے اس انگور کو چننا جائز نہیں، جسکے متعلق معلوم ہے کہ وہ اسے شراب بنائیں گے یا وہ اسلحہ جن سے وہ مسلمانوں سے لڑیں گے۔

عبد الملک بن حبیب اسے مکروہ اور امام مالک حرام کہتے ہیں، انہوں نے واضح میں کہا ہے کہ امام مالک کیسے کا ذبیحہ مکروہ سمجھتے ہیں۔
ابن القاسم غیر اسلامی تقریبات کے موقع پر ان کے ساتھ سوار ہونے کو بھی خدا کی لعنت و غضب سے بچنے کے لئے مکروہ کہتے ہیں۔

بیع و اجارہ کی ممانعت

امام احمد کسی مسلمان مہمار کو اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ غیر مسلموں کی عبادت گاہ بنائے، فرمایا (لا تبین لہم، ولا تخدم علی ما ہم فیہ) امام نے غیر مسلم کو کرایہ پر اپنے مکان میں رکھنا بھی مکروہ سمجھا ہے، اسحاق بن منصور کہتے ہیں اوزاعی نصاریٰ کے انگوروں کی حفاظت کی لو کری ناجائز کہتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ کافر کو کرایہ پر مکان دینا جائز سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ کفر و شرک کے اعمال لازماً اسی گھر میں کرے، گویا گھرانے کے ہاں مختلف کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے اس لئے بیع و اجارہ میں کوئی قباحت نہیں ہاں مشرک سے ہتھیار اس لئے فروخت نہیں کریں گے، کہ ہتھیار جنگ ہی کے لئے بنائے گئے ہیں، وہی

خواجه یاعشری زمین لینا بھی اسی لئے نامناسب کہا گیا ہے کہ وہ اس طرح عشر و خراج سے بچنا چاہتا ہے، ذمی کا ارض اسلام پر اسے ٹھیک کر کے قبضہ کرنا بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غلط ہے امام مالک سے دونوں روایتیں ہیں، لیکن اجابے موات کے بعد ذمی پر امام احمد کے ہاں کوئی تاوان نہیں، البتہ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ ذمی کو عشری زمین خریدنے نہیں دی جائے گی، اور اہل بصرہ اسپر عشر کو دگنا کر دینے کی تجویز رکھتے ہیں، غبری قاضی بصرہ کہتے ہیں کہ ذمی کی ہر زمین پر عشر ہو گا میسوی کی روایت میں امام احمد بھی حضرت عمرؓ کی روایت کی وجہ سے عشر کو دگنا کر دینے کے قائل ہیں، لیکن اس صورت میں ہے، جب وہ کھیتی اور تجارت دونوں کرتے ہوں عشر کو دگنا کرنے کے حق میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ، حسن بصریؒ اور امام ابو یوسفؒ ہیں اور بعض اس کے قائل نہیں ان میں بعض حنابلہ، ثوریؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ہیں، جو لوگ دونا کرنے کے قائل ہیں ان کا قیاس یہ ہے کہ متامن اگر دارالاسلام میں کھیتی کرتا ہے تو اس سے دونا لیا جاتا ہے، اسی طرح اس کی تجارت پر بھی دونا ہی لیا جاتا ہے، ان سب باتوں سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کی زمینوں پر غیر مسلموں کا غلبہ نہ ہو اسی لئے امام احمد ذمی کے لئے حق شفعہ کے قائل نہیں ہیں اور اسے ان حقوق میں سمجھتے ہیں جو صرف مسلمانوں سے متعلق ہیں، جیسے دعوت قبول کرنا، رضی کی عیادت کرنا، بیع اور خطبہ میں زیادتی کرنا، امام شافعی کتاب الام کے باب جزئیہ میں لکھتے ہیں کہ کلیسا کے لئے ذمی کی کسی طرح کی وصیت باطل ہے انھوں نے لکھا ہے کہ کلیسا کی تعمیر میں مسلمان معمار کی کسی طرح کی شرکت مناسب نہیں، امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور ان کے عبادتی کاموں میں کسی نوع کی شرکت ناپسند کرتے ہیں

وہ تعمیر کلیسا کی اجرت کو اسی طرح حرام کہتے ہیں، جیسے انجیل و تورات کی کتابت کی اجرت، امرہ ثلاثہ اور صاحبین کے ہاں خمر و خنزیر کے ڈھونے کی اجرت بھی مسلمان کیلئے جائز نہیں، اس لئے کہ آنحضرت نے ان سے متعلق ہر معاملہ پر لعنت کی ہے، زنا، گانے بجانے اور دوسرے حرام پیشوں کی کمائی کے متعلق یہ حکم ہے کہ ان سے خود فائدہ اٹھانا ناجائز ہے، لیکن انھیں ملت کے مصالح کے لئے استعمال کرنا چاہئے (جس طرح بینک، بیمہ، کمرشل انٹرسٹ کی آمدنیوں کو مسلمان لیکر دوسرے خیرانی کاموں میں بغیر نیتِ ثواب کے استعمال کر سکتے ہیں) شیخ الاسلام ابن تیمیہ شراب خریدنے کے بعد خریدار کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بیع منسوخ کر سکتا اور اپنی قیمت واپس لے سکتا ہے اس لئے کہ اصولاً یہ بیع باطل اور فاسد ہے، حضرت عمرؓ نے شراب کی ایک دکان جاوادی تھی، اور حضرت علیؓ نے ایک پوری بستی ہی کو جلوادیا تھا، جس میں شراب کا کاروبار ہوتا تھا، ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ شراب کسی طرح اسلامی حکومت میں گوارا نہیں کی جاسکتی، اسی طرح امام احمد نے غیر اسلامی تیوہاروں کے سامان کی خرید و فروخت ناجائز بتائی ہے، اور اسے اعانت علی الکفر کہا ہے، یہ تو عبادتی سامان کے لئے عام حکم ہے، لیکن کھانے پینے اور تفریح کی چیزوں کے بارے میں بھی امام مالکؒ کراہت تخریمی کے قائل ہیں اور امام احمدؒ جہاں بھی اسی طرف ہے، لیکن بعض لوگ اسے کراہت تنزیہی تک رکھتے ہیں۔

ذبیحہ، پر ساد اور ہدیہ کا حکم

غیر مسلموں کے تیوہاروں کے ہدایا کے متعلق حضرت علیؓ کا عمل اور گورچکا

آپ نے "نوروز" کا ہدیہ قبول کیا تھا، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کسی عورت نے پوچھا کہ ہماری مجوسی خادمائیں اپنی عید کے موقع پر ہمارے پاس نحفے بھیجتی ہیں، کیا ہم انہیں قبول کر سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ذبیحہ تو نہیں البتہ پھل وغیرہ لئے جاسکتے ہیں، نیز ابو بزرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے مجوسی پڑوسی ہر جا اور نوروز میں ہدے بھیجتے تو وہ اپنے گھروالوں کو پھل اور مٹھائیوں کی اجازت دیتے اور لقبیہ لوٹا دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ہدایا میں ان کی عید کا اثر نہیں پڑتا اور نہ ان کے قبول کرنے سے کفر کی اعانت لازم آتی ہے، لیکن اہل حرب اور اہل ذمہ کے ہدایا قبول کرنے کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے جو کافی تفصیل چاہتا ہے، اجمالاً کہا جاسکتا ہے کہ اہل کتاب کے ہدایا (ان کے مخصوص ذبیحوں کو چھوڑ کر) استعمال کئے جاسکتے ہیں لیکن مجوسی کا ذبیحہ حرام ہے۔

پھر اہل کتاب اگر مسیح و زہرہ اور حضرت مریمؑ وغیرہ کے لئے قربانی کرتے ہیں تو وہ ناجائز ہے۔ یہی امام احمد کا مذہب ہے اور حضرت عائشہ اور ابن عمرؓ سے ایسا ہی مروی ہے، میمونؓ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا تو فرمایا کہ اہل کتاب کلیسا کے لئے ذبح کرتے ہیں اور عہدِ خدا کا نام چھوڑ دیتے ہیں، اس لئے اس کا کھانا جائز نہیں لیکن امام احمد ہی کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداءؓ ان کے کھانے کو حلال سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔

امام احمدؒ امام اوزاعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے میمونؓ سے نصاریٰ کے ذبیحہ عید کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ مکروہ ہے، جنبل عطارؒ سے روایت کرتے ہیں کہ

جس ذبیحہ پر حضرت مسیح کا نام لیا گیا ہو وہ اس کے کھانے کو جائز سمجھتے تھے، خلال کہتے ہیں کہ امام احمد سے اس باب میں کراہت تخریمی ہی ثابت ہے، حنبل کی روایت ہے کہ کلیسا اور عید کے موقع کے علاوہ عام ذبیحہ کھایا جاسکتا ہے اگرچہ اس پر انھوں نے بسم اللہ نہ پڑھی ہو، ایک جگہ امام احمد نے (وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اِسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ) سے مراد میتہ اور مردار لیا ہے۔

لیکن امام احمد ہی کی دوسری روایت ہے کہ غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام نہیں مکروہ ہے، ان کے صاحبزادے عبد اللہ کہتے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ زہرہ کا ذبیحہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ مجھے پسند نہیں، میں نے کہا کیا، حرام ہے فرمایا، حرام نہیں کہتا لیکن مجھے بھانا نہیں، ابوالحسن آمدی کہتے ہیں کہ غیر اللہ میں، کلیسا، زہرہ، اور شمس و قمر کے لئے ذبیحے آجاتے ہیں، مردہ میں ہے کہ اہل کتاب کا کلیسائی ذبیحہ یا عید کا ذبیحہ مکروہ ہے، حرام نہیں۔

عید کے ذبیحہ کا استعمال بعض صحابہ سے ثابت ہے، لیکن اس میں تفصیل ہے کہ اس پر صراحتہً غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس لئے کہ جمہور کے ہاں یہ حرام ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا بھی مذہب ہے، اور یہی حضرت علی، حضرت ابوالدرداء، ابوالانبار، عرباض بن ساریہ، عبادہ بن صامت اور اکثر فقہائے شام کا مسلک بھی ہے، ایک مشرب یہ بھی ہے کہ غیر اللہ کا نام لئے جانے کے باوجود ان کا ذبیحہ حرام نہیں، یہی عطاء، مجاہد، کھول، ادراعی اور لیث حکم اللہ کا خیال ہے، ابن منصور کہتے ہیں کہ امام احمد سے کہا گیا کہ سفیان ثوری عید کا بسم اللہ چھوڑے ہوئے ذبیحہ کے کھانے کے قائل نہ تھے امام احمد نے بھی ان کی تصویب کی، شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اختلاف مذاہب کی

بنیاد و اکتیں ہیں ایک میں کہا گیا:

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلٰلٌ
لِّكُمْ - (۵:۵)

۴۔

اورد دوسری آیت (۱۶: ۱۱۵) میں غیر اللہ کے لئے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت حرام کر دیا گیا۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ غیر اللہ کا نام لیا جائے یا نیت کی جائے دونوں ہی حرام ہیں، مشرکین بھی کبھی اپنے دیوتاؤں کے نام پر قربانی کرتے ہیں کبھی نذرانہ کے طور پر اور کبھی دونوں طرح یہ سب صورتیں حرمت میں داخل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کے مزاج سے یہی زیادہ قریب ہے، یہی امام احمد کا مسلک ہے اگرچہ متاخرین حنابلہ اس روایت کا ذکر نہیں کرتے ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ انہی صورتوں میں حلال ہو گا، جن صورتوں میں مسلمانوں کا ذبیحہ حلال ہے اسکے علاوہ یہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ جہاں علت و حرمت کا ٹکراؤ ہوتا ہے، وہاں حرمت ہی کو احتیاطاً ترجیح دیتے ہیں، اور اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ کسی نبی کے مذہب میں مشرکانہ ذبیحے نہیں رہے اس لئے اہل کتاب کے ذبیحے کے ساتھ بھی اسی طرح معاملہ ہو گا۔

یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب اگر غیر اللہ کا نام لیتے ہیں تب تو ہم اسے حرام سمجھ سکتے ہیں لیکن اگر خانی نیت ہو زبان سے نہ کہا ہو تو کیسے حرمت کا پتہ چل سکے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ اپنے متعین مقام پر ہی ذبح کریں یا کلیسا کے اندر قربانی ادا کریں تو حرمت ظاہر ہی ہے، یا خود ان سے پوچھ کر بھی معلوم کیا جا سکتا ہے، شیخ نے ”ذبح علی المنصب“ کے بارے میں

لکھا ہے کہ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ "نصب" یعنی بتوں پر یا ان کی جگہ پر ذبح کیا جائے
دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے ذبح کیا جائے، یہ دونوں صورتیں غیر الشری میں
شامل ہیں اس لئے حرام ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ وادی بلدح میں آنحضرت
اور زید بن عمرو بن نفیل ہم سفر تھے، جب کھانے کا وقت آیا تو زید نے گوشت پیش کیا
جسے آنحضرت نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ میں بتوں کا چرٹھا ہوں انہیں کھانا
(حالانکہ یہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے)۔

ایک روایت میں خود زید کے بارے میں آتا ہے کہ وہ قریش کا ذبیحہ نہیں
کھاتا تھا، شیخ الاسلامؒ نے یہاں اپنے مخصوص انداز میں ایک نکتے کی طرف اشارہ کیا
ہے کہ بعض لوگ اسم غیر اللہ والے ذبیحہ کو حرام اور غیر اللہ کے لئے ذبیحہ کو مکروہ سمجھتے
ہیں، لیکن درحقیقت دونوں ہی حرام ہیں، اگرچہ شدت میں دوسرا بڑھا ہوا ہے،
اس کی صورت اس طرح ہے کہ جیسے ہم ایک ذبیحہ قربانی کے لئے کرتے ہیں تو زیادہ
باعث ثواب ہے، اور ایک صحن گوشت کے لئے کرتے ہیں، اسی طرح اہل کتاب
ایک ذبح مسیح کا نام لیکر کرتے ہیں اور دوسرا خاص مسیح کے لئے کرتے ہیں، اس لئے
ظاہر ہے کہ آخری صورت حرمت کے زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ غیر اللہ کی عبادت
غیر اللہ سے استعانت سے زیادہ بری ہے۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی اگر زبان سے بسم اللہ کہہ لیتا ہے، لیکن
دل میں کسی پرفیقیر، جن، شیطان وغیرہ کی نیت رکھتا ہے تو اس کا ذبیحہ بھی حرام ہے
ابوداؤد میں حضرت ابن عباسؓ کی ہدایت ہے کہ "ذہنی عن معاقرة الاعراب"

(حضور نے بدوں کی قربانی سے منع کر دیا ہے) ابن شیبہ نے ابن عباس ہی سے "عقار" کی تفسیر "غیر اللہ" نقل کی ہے، جا رو د کہتے ہیں کہ نبی رباح کے ابن و شیل نامی شاعر اور فرزند ق کے باپ غالب نے نذرانی تھی کہ ہم فلاں چشمہ پر اونٹ ذبح کریں گے جب انھوں نے ۱۰۰، ۱۰۰ اونٹ ذبح کئے تو لوگ گوشت کے لئے دوڑے لیکن حضرت علیؑ نے انھیں روک دیا کہ یہ غیر اللہ کی قربانی ہے، مجاہد "نصب" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ کعبہ کے پاس ایک پتھر تھا جس پر اور جس کے لئے اہل جاہلیت قربانی کرتے اور اسے جب چاہتے بدل بھی دیتے تھے، حضرت حسن قتادہؒ اور حضرت ابن عباس کی تفسیر بھی یہی ہے۔

اسماعیل بن سعید کی امام احمد سے ایک روایت ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی کتابی جانور ذبح کرتا ہے تو وہ حلال ہے اس لئے کہ وہ شرعی طریقہ پر ذبح کریگا (لیکن کچھ علماء ابن تیمیہ کی اس رائے سے متفق نہیں کیونکہ کتابی کی نیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ مسلمان کا جس کا جانور نہیں، بلکہ صرف عمل ذبح میں وہ شریک ہے)

کفار کے روزے اور تیوہار

کسی غیر اسلامی تیوہار اور برت کے موقع پر روزہ رکھنا مشابہت کے خوف سے مکروہ کہا گیا ہے، اس لئے اس کے آگے پیچھے ایک اور روزہ بھی ملائے گا حکم ہے، یوم سبت کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ سبت کا روزہ نہ رکھو اور اگر اس دن کسی کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ ہو تو کسی درخت کی شاخ ہی چبا لے۔ (سنن اربعہ) اشرمؒ نے امام احمدؒ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے، لیکن دوسری

احادیث کے پیش نظر امام احمد نے اجازت بھی دی ہے، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ سیچ کو زیادہ روزے رکھتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے جمبو سے پہلے یا بعد میں ایک دن ملا لینے کا حکم دیا تھا، اس لئے اترم، امام ابو داؤدؒ زہری، امام مالکؒ سب سبت کے روزے کے قائل ہیں، لیکن امام احمد کی صاحبزادے سے روایت ہے کہ حضورؐ نے یوم سبت میں مجھے کھانے کیلئے کہا تو میں نے معذرت کی کہ روزے سے ہوں اس پر آپؐ نے پوچھا کیا کل بھی روزہ سے تھیں؟ انھوں نے کہا نہیں تو آپؐ نے فرمایا کھاؤ سبت کا روزہ کچھ اہم نہیں، اس لئے نعمانہ سبت کے آگے پیچھے بھی ایک اور روزہ ملا لینے کا حکم دیا ہے، ابن عقیل نے یہودیوں کے یوم تعطیل سے شہادت کی وجہ کو اس حکم کی علت کہا ہے، امام احمد اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ حضورؐ فرماتے تھے کہ اہل کتاب کی عید کے دن (شنبہ، یکشنبہ) کو میں روزے ان کی مخالفت کے خیال سے رکھتا ہوں اور حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ اگر ایک مہینہ میں شنبہ، یکشنبہ، دو شنبہ کو روزے رکھتے تو دوسرے میں شنبہ، پہا شنبہ، پنجشنبہ کو روزے رکھتے تھے، (ترمذی) یہ دونوں حدیثیں ان لوگوں کے خلاف نہیں ہیں جو "افراد سبت" کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

یہاں امام ابن تیمیہؒ نے ایک اور قاعدہ شرعی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ روزے اور تہوہاں اکثر اہل کتاب کی ایجاد اور بدعت ہیں اور اسلام بدعتوں کے جس قدر خلاف ہے وہ معلوم ہے حتیٰ کہ اجتہاد جو شریعت کے دائرے میں رہنے

۱۵ اس موضوع پر امام ابن القیم کی تحقیق مختصر سنن ابی داؤد ۳/۲۹۴ حدیث نمبر ۲۳۱۱

میں دیکھی جائے۔

ہوئے کیا جاتا ہے، اس میں بھی اگر خطا ہے تو اس کی اتباع غلط ہے۔ اگرچہ مجتہد کو ثواب ضرور ملے گا جب آیت "اتَّخَذُوا أَعْبَادَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ أَوْلِيَاءَ يَأْتُونَ صُورًا" سے مراد ہے، ۹: ۳۱ اتری تو حضرت عدی بن حاتم نے حضور سے عرض کیا کہ وہ غیر اللہ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے؛ حضور نے فرمایا عبادت نہیں کرتے تھے لیکن ان کے غلط حلال و حرام پر عمل کرتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ مذاہب کی انسانہ طرزوں کی دو بنیادیں ہیں، ایک یہ کہ جو مذہب نہیں تھا اسے مذہب سمجھ لیا گیا، دوسرے یہ کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا گیا، اسی لئے امام احمد نے شریعت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ بندوں کے اعمال کی دو قسمیں ہیں، عبادہ اچھیں وہ قلاح آخرت یا فلاح دارين کے لئے برتتے ہیں، دوسری عادات، یا معاملات جن کا تعلق خاص طور سے دنیاوی زندگی سے ہوتا ہے، تو عبادات کی اصل یہ ہے کہ اس میں شریعت کے عبادتی نظام کی پیروی کی جائے، اور عادات میں یہ ہونا چاہئے کہ ان میں حلت و حرمت کا اختیار خدا کو دینا چاہئے، اس قاعدہ اور نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی حقیقت افسانوں میں گم دکھائی دیتی ہے؛

جنگ ہفتاد و دولت ہمہ را عذر بنہ

چوں ندیدند حقیقت را، انسانہ زود

اسلام اور بدعت کا کھلا تضاد

بعض سہل انگار حضرات بدعت کی تقسیم حسنہ اور قبیحہ سے کرتے ہیں، ان کی دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے لئے "بیت البدعۃ ہذا" (یہ بھی بدعت

ہے) کہا تھا، دوسری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد زمانے کے مطابق اسلام میں جو باتیں اپنائی گئیں وہ بھی تو بدعت ہیں لیکن ”حسنہ“ ہیں اس لئے ان پر کوئی نیکیر نہیں کرنا۔ بدعت حسنہ کی بعض لوگ یہ تعریف کرتے ہیں کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے، یا ان میں کوئی مصلحت ہے، اس سے زیادہ بدعت حسنہ کی تائید میں کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن ان کہنے والوں نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ آنحضرتؐ صراحتاً ”کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار“ فرما رہے ہیں مگر یہ لوگ اس کی تقسیم کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔

جب شارع نے بدعت کا برائی کے معنوں میں استعمال متعین فرما دیا تو یہ کہنا کہ بعض برائیاں اچھی بھی ہوتی ہیں، اپنی جسارت و جرأت بلکہ حماقت ہی کا ثبوت دینا ہے، اوپر کے اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ بدعت میں حسن ہو ہی نہیں سکتا اور جس میں حسن ہے وہ بدعت نہیں، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ بدعتوں اور بدلتوں پر اگر اجماع ہو جائے تو اسے حق بجانب (JUSTIFY) کہا جاسکتا ہے وہ خود حق بجانب نہیں، اس لئے کہ بدعتوں اور غلطیوں پر پوری امت کا اجماع ہو ہی نہیں سکتا اور نہ اسے تاریخی طور پر کوئی ثابت کر سکتا ہے، اس لئے کہ سنت کے ادانشاس ہر دور و دیا میں ہمیشہ موجود رہے ہیں، جنہوں نے بدعتوں پر روک لگائی ہے، پھر مقدس اجماع اگر کہیں کا ہو سکتا ہے تو وہ اہل مدینہ کا ہو سکتا ہے، لیکن جمہور علماء نے انکو بھی یہ اختیار نہیں دیا ہے بلکہ عام مسلمانوں کے مقام سے وہ برتر نہیں اس صورت حال کو سامنے رکھ کر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ان بدعتوں پر عوام کا الالانعام اور جاہل ہوس پرستوں کا

اجماع مستند (AUTHORITY) ہے یا اس کا کچھ بھی وقار و اعتبار ہے۔
 ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حدیث بدعت کے عموم کو مخصوص بدعتوں کے معنی میں لینا صحیح نہیں، اس لئے کہ پھر اس حدیث کے معنی ہی نہیں رہ جاتے اگر بدعت سے صرف منہی عنہا چیزیں ہی مراد لی جائیں تو پھر کفر و فسق کے علاوہ کوئی چیز بدعت کی مصداق ہی نہیں رہ جائیگی اور اس کا اطلاق صرف عمد نبوی کی غلطیوں پر ہوگا، حالانکہ یہ صراحت غلط ہے، اس تاویل میں متعدد خرابیاں ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اس لئے ممنوعہ اشیاء کو کسی مخصوص منہی سے ممنوع ہوں گی پھر اس حدیث سے کوئی چیز ممنوع نہیں ہو سکتی اور حدیث بے فائدہ ہو کر رہ جائیگی حالانکہ حضور سے خطبہ جمعہ میں پابندی کے ساتھ پڑھنے اور اسے جوامع الکلم میں شمار فرماتے تھے۔

۲۔ لفظ بدعت "ایک بہت معصوم لفظ بن جائے گا، اور اس کے وجود و عدم کے کوئی معنی ہی نہیں رہ جائیں گے۔

۳۔ اس سے قائل کی (معاذ اللہ) تلبیس و تلبیس ثابت ہوگی، کیونکہ بدعت ایک عام لفظ اور نہی ایک مخصوص صفت ہے تو عام بول کر خاص مراد لینا یا خاص کہہ کر عام کی طرف اشارہ "لال بھکڑوں" کا مشغلہ ہے، نہی ایسی گولی مول باتیں کر ہی نہیں سکتا۔

۴۔ اگر حدیث سے ہر بدعت کے لئے نہی خاص ضروری ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف چند لوگ بدعتوں کو جان سکیں اور عوام کے لئے اس کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا جائے۔
 ۵۔ غیر متعین بدعتوں کی تعداد زیادہ ہے، اس لئے نہی خاص کی طلب حدیث

کے عموم کو نظر انداز کرنے کے لیے مراد ہے۔

نماز تراویح بدعت نہیں

نماز تراویح کے بدعت ہونے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، اس لئے کہ وہ سنتِ قولی اور سنتِ فعلی دونوں اپنی تائید میں رکھتی ہے، حدیث میں ہے: "ان الله فرض عليكم صيام رمضان وسنت لکم قیامکم" (اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے، اور میں نے نماز تراویح مقرر کی) تراویح کی جماعت بھی بدعت نہیں اس لئے کہ حضور نے پہلے رمضان میں تیس راتوں میں جماعت سے نماز ادا فرمائی اور آخری دس دنوں میں بھی بارہا جماعت سے تراویح ادا کی، حدیث ہے:

"ان الرجل اذا صلى مع الجماعة حتى ينصرف كتب له قيام ليلة" (جو اسے امام کے ساتھ پڑھتا ہے، اسے پوری رات قیام کا ثواب ملتا ہے) مجتہدین کا کہنا ہے کہ صرف صحابی کا قول حجت نہیں، قول الصحاب لیس بجمہ۔

پھر جب قول صحابی قولِ رسول کے مخالف پڑتا ہو تو اس کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ حضرت عمرؓ نے اگر تراویح کے لئے بدعت کا استعمال کیا تو وہ بدعتِ شرعی کے معنوں میں نہیں بلکہ بدعتِ لغوی کے ریاقت میں تھا، اس لئے کہ لغت میں بدعت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "كل ما فعل ابتداء من غير مثال سابق" (ہر وہ نئی چیز جو بغیر کسی پہلے نمونے کے وجود میں آئے)

تراویح کی تائید میں جب حضور کے قول و فعل دونوں ہیں تو اسے بدعت کہا ہی نہیں جا سکتا۔ تراویح کے چوتھے دن حضور نے غایتِ شفقت سے فرمایا: "انه لم يعنى ان يخرج اليكم"

لاکرا لھتہ ان یفرض علیکم فصلوا انی بیعتکم فان افضل صلوة المرء فی بیتہ الا المکتوبہ“ (مجھے صرف اس بات نے جماعت تراویح میں آنے سے روکا کہ میں تم پر وہ فرض نہ ہو جائے، بہتر ہے کہ گھڑی پر پڑھو اس لئے کہ فرض کے سوا باقی نمازیں گھر ہی میں افضل ہیں) فرض ہو جانے کا خوف ظاہر ہے کہ رسول اللہ کی زندگی ہی تک تھا، اس کے بعد حضرت عمر نے غشا انبوی کی تکمیل کی اور مسجد میں روشنی کی گئی۔

اسی طرح صحیح قرآن انھنور کے عہد میں منع تھا کہ حدیث سے گٹھنڈہ ہو جائے اور دوسرے بھی تھا کہ قرآن ابھی سلسل اتوی رہا تھا، اور اس میں نسخ بھی ہوتا تھا، اس لئے اس خیال سے صحیف میں حج نہیں کیا گیا کہ بار بار بدنامی و ملامت پیدا کر سکتا تھا لیکن حضور کے بعد اطمینان ہونے پر اسے صحیف کی شکل دی گئی۔

یہ ایسا ہی تھا، جیسا کہ حضرت فاروق نے خیر کے یہود بنجران کے عیسائیوں کو ارض عرب سے باہر چلے جانے کا حکم دیا اس لئے کہ حضور نے مرض وفات میں فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب نکال دو، حضرت ابوبکرؓ اس کی تعمیل اہل ردۃ سے قتال کی وجہ سے نہیں کر سکے، اور فارس و روم سے بھی جنگوں کی مشغولیت حاصل رہی شروع میں حضرت عمرؓ بھی اس پر انہی جنگوں کی وجہ سے عمل نہیں کر سکے، لیکن بعد میں اسے نافذ کیا۔

بظاہر تو یہ بدعت معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ یہود خیر نے ان سے کہا
 ”وکیف تمحنا وقد اقدنا بالواقاسم؟“ (کہ رسول اللہ نے تو ہمیں
 ٹھہرایا تھا، تو آپ کیوں کر نکلنے کا حکم دے رہے ہیں) حضرت علیؓ کی خلافت
 میں بھی انھوں نے ان سے رجوع کیا اور خواہش ظاہر کی کہ کتابت بخلط

(آپ کے ہاتھ کی تحریر ہونی چاہئے) لیکن حضرت علیؑ اپنے ارادے سے رکے رہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں بھی اس پر عمل کیا تھا۔

ایسے ہی حضورؐ نے فرمایا تھا:

خذوا العطاء ما كان عطاء فاذا
 تم حکام و خلفاء کے عطیات لے سکتے ہو لیکن
 کلا عوضاً عن دينكم فلا تاخذوا
 جب وہ تمہارے دین کو خریدنے کے لئے
 دیا جائے تو مت لینا۔

عہدِ سعادت کے بعد جب خلفاء اور امراء نے خوشامدی درباریوں اور جہتِ حضورؐ کو جو ان کے لئے دین و شریعت میں باطل تاویلین اور حیلے تلاش کرتے تھے، بڑے بڑے انعام دینا شروع کئے تو جو علمائے حق اور مردان باصفا اس سے باز رہے، وہ بدعت نہیں تھا، اگرچہ ایک نیا طرز عمل تھا، لیکن زمانے کے حالات کی وجہ سے حدیث کے دوسرے ٹکڑے پر عمل تھا، آپؐ نے اہلبان بن صفیہ کو ایک تلوار دیتے ہوئے فرمایا:

قاتل به المشركين فاذا رأيت
 اس سے مشرکین سے لڑنا لیکن جب مسلمان
 المسلمين اقتتلوا فاكسرك۔
 آپس ہی میں لڑنے لگیں تو اسے توڑ دینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تلوار شکنی آنحضرتؐ کے عہد میں معروف نہیں تھی، لیکن بعد میں آپؐ ہی کے حکم کی تعمیل میں پیدا ہوئی اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ کا منکرین زکوٰۃ سے قتال، ایک بدعت تھی، اس لئے کہ صرف زکوٰۃ کے منکر سے حضورؐ کبھی نہیں لڑے۔ لیکن امرت ان اقاتل الناس حتی يشهدوا ان لا اله الا الله۔ (مجھے حکم ہے کہ جب تک لوگ توحید و رسالت کی گواہی نہ دیدیں مسلسل لڑتا رہوں) اس سے حضرت صدیقؓ نے نکالا کہ زکوٰۃ بھی اس گواہی کا

ایک اہم جز اور رکن رکین ہے، اس کے ساتھ ہی حق الشر بھی ہے، اس کے علاوہ دوسری حدیث میں "وَلِيَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُوْتُوا الزَّكٰوةَ" (حتیٰ کہ نمازیں پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں) کے الفاظ بھی صراحتہ آئے ہیں، اس لئے حضرت صدیق کا عمل بدعت نہیں ہے، اگرچہ محدث (ایک نئی بات) ہے۔

بدعتیں کیونکر ایجاد ہوتی ہیں؟

بدعت کے بارے میں یہ جان لینا چاہئے کہ اس کے مؤجد نیک نیت اور نخلص بھی ہوتے ہیں، اور وہ کسی نہ کسی مصلحت ہی کے لئے بدعت کی ایجاد کرتے ہیں، وہ غلطی کو غلطی جان کر نہیں کرتے بلکہ اسے اپنی دانست میں صحیح سمجھ کر کرتے ہیں، اس کے بعد ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی واقعی نئی ضرورت پیش آتی ہے، جو عہد رسالت میں نہیں آئی تھی، اس لئے آپ نے اس کی مانعت بھی نہیں کی تھی تو اس مصلحت دینی کو اختیار کیا جاسکتا ہے، اور کیا گیا، اسی طرح بعض بدعتیں اس طرح گوارا کی گئیں کہ ضرورت تو عہد نبوت ہی میں محسوس ہو چکی تھی، لیکن کسی وجہ سے آپ نے اس کی تکمیل نہیں کی، اس لئے آپ کی وفات کے بعد جب وہ وجہ باقی نہیں رہی تو لوگوں نے اب اس ضرورت کو پورا کیا۔

بدعت کی وہ صورت کہ اس کی ضرورت بھی نہ ہو اور اس میں کوئی معصیت بھی ہو تو اس بدعت کا کوئی جواز ہی نہیں پیدا ہو سکتا، یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ ہر وہ بات جو مصلحت سمجھی جا رہی ہے، اگر عہد رسالت میں بھی مصلحت ہی تھی، لیکن وہ سنت کا شرف حاصل نہ کر سکی تو وہ بعد میں بھی کبھی مصلحت

نہیں شمار کی جاسکتی، لیکن آپ کی وفات کے بعد جو مصلحتیں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں کوئی دینی قباحت بھی نہیں ہوتی ان پر ضرور غور کیا جاسکتا ہے۔

یہاں پہنچ کر فقہاء کے دو گروہ ہو جاتے ہیں: ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر نئی صریح نہیں ہے، تو اس مصلحت کا دین میں اعتبار ہے اسی کو مصلح مرسلہ کہتے ہیں، دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ جب تک امر صریح نہیں ہے، تو عمل کیسے کیا جاسکتا ہے؟ پھر اس طبقہ میں بھی دو خیال پیدا ہو جاتے ہیں، ایک خیال ہے کہ کلام شارع سے کوئی دلیل چاہئے بلا اس کے عمل نہیں کیا جاسکتا، یہ خیال "قیاس" کی نفی پر مبنی ہے، دوسرا خیال یہ ہے کہ شریعت میں اس کی نظیر دیکھ کر یا مفہوم سمجھ کر کوئی کام کیا جائے یہ اہل قیاس کا خیال ہے، جو لوگ کسی نئی چیز کو بلا سوچے سمجھے دین میں داخل کر لیتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا گیا:

ان اخوف ما اخوف علیکم ذلّة سب سے بڑا خطرہ جو تمہارے لئے مجھے محسوس
عالم اور جدال منافق، بالقرآن ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم کی گمراہی یا منافق کی
واعیة مصلون۔ غلط قرآنی تاویل اور گمراہ کن امر اور کا خطرہ ہے۔

اس قسم کی مثال عیدین کی اذان ہے، اسے جب امر نے رواج دیا تو مسلمانوں نے بدعت سمجھ کر اس پر نیکبر کی، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ تو ذکر اللہ اور دعوتِ حق ہے اس لئے عبادات کے عموم میں اسے داخل کر لینا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے کہ "أَذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا" (۳۳: ۴۱) وَمَنْ أَحْسَنُ فَعُولًا تَتَّعِبْ ذَعَارًا إِلَىٰ اللَّهِ" (۴۱: ۳۳) یا اذان صحیحہ پر بھی قیاس کر سکتے تھے، اور اسے آسانی سے عیدین کی سنتوں میں داخل

کر سکتے تھے، لیکن آنحضرتؐ کے فعل کی طرح دراصل آپؐ کا ترکِ فعل بھی سنت ہے، اس لئے جب حضورؐ نے جمعہ کے لئے اذان دلائی لیکن عیدین کے لئے نہیں، اس لئے یہاں ترکِ اذان و اقامت ہی سنت ہے، اور کسی کو حق نہیں کہ وہ اپنی طرف سے اس میں اضافہ کر دے، کیونکہ یہ اضافہ اس طرح کا اضافہ ہوگا کہ کوئی نماز کے اعداد میں اضافہ کر دے، رکعات کی تعداد بڑھا دے، یا حج میں کوئی زیادتی کر دے اگر کوئی من چلا کہنے لگے کہ ظہر کو ۷ رکعات ہیں اس لئے پڑھنا چاہئے کہ یہ عمل صالح ہے تو اسے کون اس کا اختیار دے سکتا ہے؟ اسی طرح دعا کے لئے اگر اس نے کوئی مخصوص جگہ بنائی ہے تو اسے بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا، اور نہ وہ اسے بدعت کہنے کا مجاز ہے، یہاں شیخ الاسلامؒ نے ایک ایسا جملہ لکھا ہے، جو انہی جیسا کوئی شریعت کا رمز آگاہ لکھ سکتا تھا، لکھتے ہیں:

وَنَحْنُ نَعْلَمُ اَنْ هَذَا ضَلَالَةٌ قَبْلَ اَنْ
نَعْلَمُ نَهْيًا خَاصًّا عَنْهَا وَاَنْ نَعْلَمُ
مَا فِيهَا مِنَ الْمَفْسَدَةِ،
ہم پر اس بدعت کی ضلالت اس کے لئے
کسی نہی کے علم اور مفسدہ کی خبر سے پہلے ہی
واضح ہے۔

یہاں تک تو اس صورت کی وضاحت تھی کہ امرِ حادث میں کوئی مصلحت ہو یا اس کے لئے کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو، اب وہ صورت رہ جاتی ہے جو کہ بعد کے لوگ اسے مصلحت سمجھتے ہیں، اور عہد رسالت میں بھی مصلحت میں داخل تھی، لیکن آپؐ نے اسے عمل کی شکل نہیں دی تو اس میں ترک ہی سنت ہے۔

اس قسم کی بدعتوں میں عیدین کے خطبہ کا پہلے پڑھنا ہے، جسے امرِ ارے راجح کیا تو مسلمانوں نے اسے کھلے عام بدعت کہا، اگرچہ لوگ اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ

حضور کے زمانے میں لوگ خطبہ شوق سے سنتے تھے، اور بلاسنے عید گاہ سے نہیں جاتے تھے، لیکن بعد کے لوگ سلام بھیر کر ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، اس لئے خطبہ ان کو پہلے ہی سادہ دینا چاہئے، لیکن یہ توجیح فہمی کا مظاہرہ ہے، اس لئے کہ خطبوں میں بدمزگی تو آج کے اماموں کی پیدا کردہ ہے، جنہیں کوئی شعور ہی نہیں، آنحضرتؐ کو اپنے خطبہ میں لوگوں کے فائدے کا خیال رکھتے اور ان کی تبلیغ و ہدایت کا سامان کرتے تھے لیکن آج کے اماموں کا مقصد یہ ہے کہ اپنی "امامت" کا مظاہرہ کریں، دینی خدمت اور اصلاح تو ان کے پیش نظر ہوتی ہی نہیں ہے، معلوم ہوا کہ عوام کو تو آپ نے خود بیزار کیا اور اب انہیں مائل کرنے کے لئے دوسری معصیت کا سہارا لے رہے ہیں، اس کا صحیح حل تو یہی ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی طرف ہم رجوع کریں اس کے بعد بھی اگر عوام کی اصلاح نہیں ہوتی تو فکر کی کیا بات ہے، آپ کو تو صرف اپنے عمل کا جواب دینا اور اپنا حساب صاف دکھانا ہے۔

اوپر کی دو باتیں جو سمجھ لے گا، اس پر بدعت کا فہم آسان ہو جائے گا، اس نے اوپر بھی اشارہ کیا ہے کہ شریعتیں قلب کی غذا ہوتی ہیں، اور جب یہ غذا اسے بدعت کی شکل میں ملتی ہے تو پھر اس میں سنت کے لئے گنجائش نہیں رہ جاتی۔

”وان الشرائع اغذیۃ القلوب فمتی اغتذت القلوب بالبدع
لم یبق فیہا فضل للسنن فتكون بمنزلۃ من اغتذی بالطعام الخبیث“ (۲۸)
انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ امراء اور سلاطین نے اسلامی نظامِ حکمرانی میں جب بدعتوں کو راہ دی تو اس کے نتیجے میں اس نظام کی خوبیاں ختم ہو گئیں اور انہیں اپنی سلطنت کے لئے طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کرنا پڑا، اور اپنی طاقت

کے لئے حفاظتی دستہ (BODY GUARD) رکھنا پڑا۔

اسی طرح علماء اور فقہاء کی جدتوں کے بارے میں بھی انھوں نے اظہار خیال کیا ہے کہ اگر وہ کھلے دل سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کئے اور سنت کے ذخیرے سے فائدہ اٹھاتے تو علم کا ایک بحر محیط نظر آتا جو ایک عالم کو سیراب کر سکتا تھا۔

اور وہ خود متکلمین کی ان گراہیوں سے بچے رہے، جو انھوں نے اصل دین

کی حفاظت کے نام سے اختیار کیا ہے، اور جنھیں اہل قیاس فروع دین کی توسیع سمجھتے ہیں

حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ سنتیں اپنے اندر بدعتوں سے پوری طرح

بے نیاز کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں، یعنی اگر سنتوں پر پوری طرح عمل ہو تو بدعتوں

کی ضرورت ہی نہ پڑے، ان کا کہنا ہے کہ اگر لوگ گفتار و کردار کی ان بلند یوں کو دیکھ

میں جنھیں خدا نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے، تو انھیں اندازہ ہو کہ ان میں کتنے پاکیزہ احوال

و مقامات اور نتائج و برکات ہیں، لیکن ان کا تو حال یہ ہے کہ اپنے کانوں کو ذوقِ سماع

سے محروم کر چکے ہیں اب قرآن سننے میں ان کو کیسے لطف آئے، کچھ جواز کا ڈر اور اد

وظائف اور اشغال میں پھنسے ہوئے ہیں، انھیں دینِ خالص کی جھلک کیسے دکھائی

دے سکتی ہے؟

وہ فرماتے ہیں کہ اصل مقصد تو دلیلِ صحیح کا علم ہے، اگرچہ اس کا تارک بھی

اپنے اجتہاد کی وجہ سے محذور ہوتا ہے بلکہ تمام صدیقیت میں بھی نافر ہو سکتا ہے

لیکن صدیق کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ہر بات صحیح اور اس کا ہر کام درست اور

سنت ہو، اس لئے کہ یہ تو صرف سنت کا مقام ہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے

عید کی بعض بدعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض لوگ رجب کی پہلی جمعرات کو

روزہ رکھتے ہیں اور اس جمعہ کی رات میں صلاۃ الرغائب پڑھتے ہیں اور عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں یہ سب خالص بدعت ہے۔

قیاس کے تین مقیاس

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ایک قیاس وہ ہوتا ہے کہ شریعت کوئی حکم دیتی ہے اور اس کی علت و سبب بھی بتا دیتی ہے جیسے حضورؐ نے لمبی کے جھوٹے کے لئے فرمایا: *انھا لیست بنجس انھما من الطوافین علیکم و الطوافات* (وہ نجس نہیں بلکہ وہ تمہارے ساتھ رہنے والی ہے) اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اپنے غلام کو ہدایت کرے کہ میرے گھر میں غلام کو داخل مت کرنا کیونکہ وہ بدعتی ہے یا کالا ہے۔ تو اس سے علت بدعتی ہونا، یا کالا ہونا معلوم ہوگئی۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شریعت حکم کی علت تو نہیں بتاتی لیکن اس کی نظیر کی علت بتا دیتی ہے جیسے اس نے باپ کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی نابالغ بچی کا نکاح بلا اس سے پوچھے کر سکتا ہے، اسی طرح وہ اس کے مال کا مالک بھی بن سکتا ہے، تو کیا ہم اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ ولایت نکاح کی علت بچی کی نابالغی ہے؟ یا اس کے مال کی ملکیت کی علت بھی یہی ہے؟ یا ہم ان کی کوئی اور علت نکال سکتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کنوارپن ولایت کی علت منصوص ہے، جس کو ملکیت کی علت بھی سمجھا گیا، اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ہم بغیر خاص دلیل کے دو چیزوں کی علت ایک نہیں مان سکتے۔ اس لئے مختلف علتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسے حضورؐ نے سیح کرنے، مول بھاؤ کرنے اور پیغام نکاح میں مسابقت کرنے سے روکا ہے۔ اس کی علت دو مسلمانوں کے درمیان تعلقات کی ناخوشگواری ہے،

اسی طرح آپ کا حکم ہے، لا تلح المرأة علی عممتها، ولا علی خالتها، فانکم اذا فعلتم، ذالک قطعتم اس حاکمہ (کسی عورت کا اس کی خالہ اور بھوپھی کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اگر تم ایسا کرو گے تو نا اتفاقی پیدا کر دو گے)

اس کے بعد وہ بتتیں ہیں جن کی علتیں بھی مخصوص ہیں، جیسے حضور نے نماز اور روزہ کے لئے اپنی طرف سے کسی خاص وقت کی پابندی کو مکروہ سمجھا ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا:

لا تخصوا الیلة الجمعة بقیام من قیام لیل، اور روزہ کے لئے جمعہ کو خاص الیالی، ولا تخصوا ایوم الجمعة بصیاماً نہ کرو مگر یہ کہ جمعہ تمہارے سلسلہ نماز من بین الایام الا ان یکون فی صومنا وصیام میں اتفاقاً پڑ جائے تو کوئی حرج یصومہ احدکم۔ نہیں۔

صحیحین میں انہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کا روزہ اس کے آگے پیچھے ایک اور روزہ کے ساتھ رکھا کرو۔

صحیحین میں محمد بن عباد سے اور حضرت ابن عباسؓ سے ایسی ہی روایات ہیں اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے نہیں رکھنا چاہئیں۔ روزے کے لئے شریعت نے دنوں کے حصے کئے ہیں، ایک قسم واجب روزوں کی ہے، جیسے رمضان، یا مستحب روزوں کی جیسے عرفہ اور عاشوراء کے روزے۔

ایک قسم وہ جس میں روزے مطلقاً منع ہیں، جیسے عیدین اور ایک قسم وہ جسے خاص طور پر منع کیا ہے، جیسے جمعہ اور اواخر شعبان کے روزے، اس آخری قسم میں یہ ہے کہ

اگر دوسرے روزے بھی رکھے جائیں تو ان کی کراہت ختم ہو جاتی ہے۔۔۔ اس سے ظاہر ہو کہ فساد کی جڑ اس امر کا بدعت ہونا ہے جو بغیر کسی وجہ تخصیص کے خاص کر ذینے سے پیدا ہوئی ہے، جمعہ اور رمضان سے پہلے دنوں میں چونکہ فضیلت کی وجہ سے یہ عمل کیا جاسکتا ہے، اس لئے شریعت نے اسے روک دیا، غرض کوئی شخص غیر ارادی طور پر بھی ان دنوں میں روزے رکھتا ہے تو وہ کراہت سے خالی نہیں ہو سکتے، یہ بدعت پونہ صدی ہجری کے بعد رائج ہوئی اس لئے اسے قطعاً بدعت ہی کہا جائے گا۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ بدعتیں دراصل اعتقادات و اجہ اور اعمال شرعیہ کی ضد واقع ہوئی ہیں اور وہ لازماً شارع علیہ السلام کی مخالفت پر مبنی ہوتی ہیں، اور بالآخر آدمی میں نفاق پیدا کر کے رہتی ہیں۔

اس کی مثال یوں ہے کہ بعض لوگ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی بن سلول کی امارت و ریاست سے مرعوب اور ان کے احسان مند تھے، اور جب انھوں نے ان کی مخالفت کا حکم دیا تو ان کے دلوں میں رسول اللہ سے منازعت کا جذبہ پیدا ہوا اور بعض اندر ہی اندر الجھ کر رہ گئے اور اس طرح اپنا ایمان خراب کر لیا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بدعت کفر ہی کی ایک شاخ ہے۔

بعض لوگ بدعت کی وکالت اس طرح کرتے ہیں کہ آخر اس میں تو نماز، روزہ، ذکر و شغل اور ادو وظائف جن نیت و اخلاص وغیرہ پایا جاتا ہے تو کیا یہ سب کارت جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قصد اور عمدہ کوئی بدعت سمجھ کر یہ نہیں کرتا بلکہ اجتہاد و غلطی سے کرتا ہے تو ثواب یقیناً مل جائے گا لیکن کراہت بھی بہر حال باقی رہے گی اور بدعت کی سیاہی رنگ لائے گی۔

اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر برائی میں کوئی نہ کوئی اچھائی بھی پوشیدہ ہے حتیٰ کہ کفار بھی اپنی عبادتوں میں کوئی نہ کوئی فائدہ محسوس کرنے میں لیکن بڑا حصہ نقصان ہی پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

ہم تو بڑتوں میں یہی کہتے ہیں کہ "اشھدہما لکبر من نفعہما" ان کا گناہ ان کے نفع کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، ربا اور بنیذ کی بعض مختلف فیہ صورتیں اگرچہ موجب گناہ نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی شرط ہے کہ اس کے شرائط سے اچھی طرح واقف اور ایسوں کی پیروی نہ کرنا ہو اور نہ دین کے بارے میں عاجلانہ مزاج رکھنا ہو، بدعت کے مفاسد اوپر بھی لکھے گئے ہیں اس کے ساتھ مزید کہا جاسکتا ہے کہ بدعت میں بعض اوقات نفس کو لذت ملنے لگتی، اور طبیعت کو چسکا پڑ جاتا ہے اسی لئے بعض اہل بدعت کو دیکھا جاتا ہے کہ فرض اعمال ان کے لئے بوجھ ہوتے ہیں لیکن اور اوہ وانشغال وہ بڑے شوق سے پورے کرتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت چھوٹ سکتی ہے لیکن حزب البحر اور دعائے گنج العرش کا ناعہ کبھی نہیں ہو سکتا، اور پھر عوام و خواص پر بدعتوں کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ فرائض و سنن میں جو انہماک مطلوب تھا، اس کا رخ بدعتوں اور بدعتوں کی طرف ہو جاتا ہے، گویا وہ بدعت کو تو عبادت سمجھ کر لیکن فرائض و سنن کو عادت کے طور پر انجام دینے لگتے ہیں، اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ فرائض و سنن میں جو رحمت و مغفرت، رقت و انابت، طہارت و خشوع، انصراف و ابتہال، عبدیت کی کیفیت اور دعا و مناجات کی لذت و حلاوت ہے اس سے محرومی ہی ہاتھ آتی ہے۔

اسی کے ساتھ معروف و منکر کا معیار جس طرح مشتبہ ہو جائے گا آسمانی دین سے جہل جس قدر بڑھے گا اور اس کے نتیجے میں جاہلیت کی برہمن جس طرح مضبوط ہو جائیگی

اس کا اندازہ ہر اسلام پسند کر سکتا ہے۔

انہی مفاسد میں پیشمرگی مکروہات بھی ہیں جنہیں بدعتی برتنے ہیں جیسے افطار میں تاخیر، نماز عشا میں غفلت اور اس کے لئے عجلت بغیر ضرورت سجدہ سہو، بے اصل اور اداؤ کا رک کی پابندی، اس کے علاوہ بیشمار بدعتیں ہیں جنہیں طبع مستقیم اور قلب سلیم کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا۔ سب سے بڑی خرابی جو بدعت سے دل میں سما جاتی ہے وہ شریعت کے مقابلہ میں خود رائی، اور اتباع رسول کی جگہ نفس و خواہش کی پیروی ہے اس لئے کہ انسان طبعاً آزادی پسند واقع ہوا ہے اس لئے وہ ہر قسم کی تقلید سے بچتا چھڑا لینا چاہتا ہے، ابو عثمان نیشاپوری نے اسی لئے کہا تھا:

ما ترک احد شیئامن السنۃ الا لکفر فی نفسہ۔
 بلا کہ نفس کے کوئی سنت کا ترک نہیں
 کرتا۔

عید کی بدعتیں

اوپر بتایا گیا ہے کہ عید زمان و مکان اور اجتماع کا نام ہے، زمانے کے لحاظ سے جو بدعتیں عید میں راہ پا گئی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ بے اصل طور پر کوئی نئی عید اسیجا کر لی جائے، جیسے رجب کی پہلی جمعرات اور اس جمعہ کی رات کی تعظیم جس کا نام ”رغائب“ رکھا جاتا ہے، یہ بدعت چوتھی صدی ہجری کے بعد رائج ہوئی، اور اس کے لئے ایک موضوع حدیث شہود کی گئی۔

اسی طرح وسط رجب میں ”صلۃ ام داؤد“ پڑھنے کی بدعت بھی کہیں کہیں پائی جاتی ہے، ۸، ۱۰، ۱۲ رزی الحج کو حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے ”غدیر خم“ کے پاس

آنحضرتؐ نے خطبہ دیا تھا جس میں آپ نے کتاب اللہ کی اتباع اور اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی تھی جسے زید بن ارقمؓ سے مسلم نے روایت کی ہے۔

اس کی اصل بس اتنی ہی تھی لیکن عوام میں شیعوں نے یہ مشہور کیا کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کے لئے بطور خاص فرش بچھو لیا اور ان کو اس پر بٹھایا تھا اور اس طرح گویا آپ کی خلافت کی توثیق کی تھی لیکن صحابہ نے اس وصیت کو چھپا دیا اور حضرت علیؑ سے خلافت غصب کر کے کفر و فسق کا ارتکاب کیا لیکن صحابہؓ کی امانت دینا نہ دیکھتے ہوئے کوئی شخص اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا بلکہ خود اہل بیتؑ نے بھی اس کی طرف کہیں کوئی اشارہ تک نہیں کیا، آنحضرتؐ کے خطبہ کی وجہ سے لے عید کے طور پر منانے کا جو از کسی طرح نہیں پیدا ہو سکتا اس لئے کہ آنحضرتؐ ہر اہم موقع پر خطبہ اور وصیت فرماتے تھے، یہ تو یہود و نصاریٰ کی عادت ہے کہ وہ اپنے نبی کے ہر اہم واقعہ کے لئے ایک عید منانا ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ "عید" تو شریعت ہی مقرر کر سکتی ہے۔

انہی برکتوں میں میلاد کی بدعت بھی ہے جو دوسری قوموں کی تقلید میں انجام دی جاتی ہے یا پھر اس کی بنیاد محبت رسولؐ ہوتی ہے، اگر محبت رسولؐ ہے تو اس پر ثواب ملے گا، لیکن چونکہ اس کی شکل بدعت ہے اس لئے اس کی کراہت بھی باقی رہے گی اس بدعت کا تو عجیب حال ہے، یعنی محدثین اور مورخین آپؐ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف رائیں رکھتے ہیں لیکن میلاد کے لئے خود تاریخ متعین کرنی گئی ہے،

لہ کتاب کے محشی استاذ حامد الفتی نے یہاں اختلاف کیا ہے کہ بدعت میں ثواب کیسے ملے گا؟ اور اسے خطا و جہنادی کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کی اصل محبت ان کی اتباع ہے نہ کہ ارتکاب بدعت۔

اگر اس کی شریعت میں کوئی بنیاد ہوتی تو ظاہر ہے کہ سلف اسے ضرور منع کرتے، ان اہل میلاد کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ جتنا ہی میلاد میں گرم جوش ہیں اتنے ہی اتباع سنت میں حسرت کو شہ ان کی مثال اس طبقہ کی طرح ہے جو قرآن کو خوب سمجھتا اور سنوارتا ہے، لیکن اسے پڑھنے کی زحمت کبھی نہیں کرتا، یا بعض لوگ مسجد تو شب بھر میں بنانے کی ہمت رکھتے ہیں، لیکن دو رکعت نماز بھی ان کے لئے بوجھ ہوتی ہے۔ حدیث میں انہی کے لئے آیا ہے کہ:

ماساء عمل امة قط الا زخرفوا جب کسی امت نے اپنی مسجدوں کو سجا یا ہے
مساجدہم۔ تو ان کے اعمال میں خرابی آئی ہے۔

شیخ الاسلام نے یہاں فرمایا ہے کہ جس طرح بدعت بری ہے اسی طرح ترک سنت بھی کسی برائی میں کم نہیں۔

اسی سلسلے میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اہل بدعت میں اگر محبت رسول ہے تو اس کی قدر کرنی چاہئے اور اس کی اصلاح کر کے انھیں اتباع سنت پر لگانا چاہئے، امام احمد کو بتایا گیا کہ فلاں امیر نے کوئی قرآن مجید ایک ہزار دینار میں تیار کر لیا ہے، تو امام نے اس کی قدر کی اور فرمایا کہ یہ رقم قرآن ہی پر خرچ ہوئی اس لئے اور دوسرے مصارف سے تو بہتر ہے۔ حالانکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ قرآن مجید کی مبالغہ آمیز آرائش مکروہ ہے۔

انہی بدعتوں میں یوم عاشورا، یوم عرفہ، عیدین، رمضان کا عشرہ اخیرہ اور یوم النہی کے عشرہ اول، یوم جمعہ عشرہ محرم کی بدعتیں ہیں، عاشورا، یوم النہی کے اثر سے پیسا سا رہنا، غم منانا، مجلس پڑھنا وغیرہ ہوتا ہے، لیکن شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے جگر گوشہ رسولؐ اور نور دیدہ بتولؑ اور اہل بیت کو فساق و فجار کے مقابلے میں عزت دی اور مسلمانوں کے احساسات کو صدمہ پہنچا تو اہل بدعت نے اسے دوسرا رنگ دیدیا جو مصائب کے وقت اسلام کی تلقین کے خلاف تھا۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے فاطمہ بنت حسین سے روایت کی ہے:

من اصیب بمصيبة فذکر مصیبتہ
فاحدث استرجاعاً وان تقادم
عہدہا کتب الحدیث من الاجر
مثلاً یوم اُصیب۔

اگر کوئی مصیبت میں مبتلا ہوا اور پھر کبھی اپنی
مصیبت یاد کر کے اس نے انا اللہ پر دعا تو اگرچہ
کتنی ہی پرانی بات کیوں نہ ہو گئی ہو لیکن
اللہ تعالیٰ مصیبت کے دن کے جیسا اجر
اسے دوبارہ دیتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا مزاج ماتم کے خلاف ہے۔ اس موقع پر جو لوگ
غسل کرتے، سرمہ لگاتے، اور مصافحہ کرتے ہیں، وہ بدعت کرتے ہیں سنت تو صرف
روزہ رکھنا ہے۔

ابراہیم بن محمد بن منشر سے اس دن کے بارے میں ایک روایت نقل کی جاتی ہے:

بلغنا ان من وسَّع علی اہل یوم
عاشوراء وسَّع اللہ علیہ سائر
یوم عاشوراء کو اپنے گھر کے خرچ میں زیادتی
کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سال بھر اس کے لئے
زیادتی رزق فرماتے ہیں۔ (رواہ ابن عیینہ)

لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ بے سند حدیث ہے، اور یہ اس وقت گڑھی گئی، جب
خارجیوں اور شیعوں کا اختلاف عروج پر آگیا تھا، صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ تقیف میں
ایک کذاب اور غارتگر پیدا ہوگا "اس کا مصداق مختار بن ابی عبدیہ تھا جو حضرت حسینؑ

کا حامی بنتا تھا لیکن کتاب وسنت کے مخالف رویہ اور حضرت علیؓ کے ساتھ غلو نے اسے کہیں کا نہ رکھا، ابن ناصر نے بعض ایسی روایتوں کی توثیق کی ہے لیکن اس کا اظہار نہیں۔

انہی بدعتوں میں "رجبی شریف" کا منانا بھی ہے، وہ اشہر حرم (احترام کے مہینوں) میں سے ضرور ہے، لیکن اس کے لئے جو بدعتیں ایجاد کی گئی ہیں وہ غلط ہیں، آنحضرتؐ سے اس ماہ کے بارے میں آتا ہے:

ان کا ان اذا دخل شهر رجب جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا تو آپ
قال: اللهم بارك لنا في شهر رجب فرماتے: اے اللہ! رجب اور شعبان کے
رجب وشعبان وبلغنا رمضان دونوں مہینوں میں ہمارے لئے برکت و عطا فرما
اور ہم کو رمضان المبارک دیکھنا نصیب کر

اس حدیث کے سوا رجب کی فضیلت میں کوئی اور دوسری حدیث ثابت نہیں اور جتنی حدیثیں کہی جاتی ہیں سب کی سب وضع کردہ ہیں، حدیث کے سلسلے میں یہ ہے کہ اگر اس کا جھوٹ ثابت نہ ہو تو فضائل کے بیان میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے، لیکن دوسری صورت میں اس کے مرتبہ کی صراحت ضروری ہے کہ حدیث کیسی ہے اور اس کی سند کیسی ہے؟ بعض سلف سے البتہ رجب کے عشرہ اول کی فضیلت ثابت ہے لیکن اسے حدیث کا درجہ کیسے مل سکتا ہے؟ اس لئے اس میں خاص طور پر روزہ رہنا امام احمدؒ کے ہاں مکروہ ہے، جیسا کہ شیخینؒ اور دوسرے صحابہؓ سے مروی ہے، ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے رجب کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

۵ اشعبان کی فضیلت میں بھی بدعتوں کا سہارا لیا گیا ہے، اگرچہ مروج حدیثوں

میں خود ہی اس کے بہت سے فضائل آئے ہیں سلف میں بعض لوگ اس کے لئے نمازوں کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ اور اس کے علاوہ شعبان کے روزوں کے بارے میں احادیث صحیحہ بھی ہیں: تاہم علمائے سلف اور اہل مدینہ اس کی فضیلت کا انکار کرتے، اور اس سلسلہ کی حدیثوں کی صحت میں بھی تامل کرتے ہیں، جیسے اس حدیث کے بارے میں جس میں کہا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس ماہ میں نبی کلب کی بکریوں کے بال سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت کرتا ہے!"

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم اور اکثر علمائے حنبلیہ کا رجحان اس کی فضیلت ہی کی طرف ہے اور سنن و مسانید میں کچھ احادیث مروی بھی ہیں، البتہ صرف ۱۵ شعبان کے روزہ کی کوئی اصل ثابت نہیں بلکہ صرف اسے رکھنا مکروہ ہے، اسی طرح اس دن کا حلوہ ماننا اور دوسری خرافات سب بدعت میں شامل ہیں، اسی طرح "صلاة الغیبة" کے لئے جو اسی رات کو پڑھی جاتی ہے اجتماع عام کرنا بھی بدعت ہے، اس کے لئے وہ ایک نفل نماز ہے جس کے لئے وقت، عدد اور قرأت کی مقدار کا تعین، ہر چیز بدعت ہے اور اس نماز کے بارے میں تمام احادیث موضوع اور مخترع ہیں اور اس پر تمام علمائے حدیث کا اجماع ہے، یہ ایسے ہی جیسے ہر رات میں کوئی نماز ایجاد کر لی جائے، جیسے بعض لوگ اول رجب کی نماز پڑھتے ہیں اور بعض دیہاتوں میں مغرب کے بعد مغرب ہی کی طرح ایک اور نماز ہوتی ہے، جسے بڑا والدین کی نماز کہتے ہیں اسی طرح بعض من چلے بلا مردہ کے نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور یہ نیت کرتے ہیں کہ تمام مسلمان مردوں کی طرف سے یہ نماز ادا ہوگی۔

لے "صلاة الغیبة" میں ایک ہزار بار قل ہوا شہ پڑھی جاتی تھی۔

نفل نماز کے لئے یا تلاوت و اذکار کے لئے اگر کبھی کبھی اتفاقاً کوئی اجتماع ہو جاتا ہے تو یہ ایک اچھی چیز ہے اس لئے کہ آنحضرتؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی کبھی نفل کی نماز بھی جماعت سے ادا کی ہے، ایسے ہی آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ذکر کی ایک مجلس میں آپ سننے والوں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے اور آپ سے اس قوم کی فضیلت ثابت ہے جو کتاب و سنت کا مذاکرہ کرتی ہے۔ یا وہ جماعت جو ذکر الہی میں مشغول ہوتی ہے۔

جیسے یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

ما جلس قوم فی بیت من بیوت
 اللہ یتلون کتاب اللہ و یتدارسوا
 بینہم الاخشیتہم الرحمۃ
 و نزلت علیہم السکینۃ و حققتہم
 الملائکۃ و ذکرہم اللہ فیمن عندہ
 جب کوئی جماعت کہیں قرآن کی تلاوت کرتی
 یا اس کے مطلب پر غور کرتی ہے تو رحمت
 انھیں ڈھانک لیتی ہے ان پر سکینت کا نزول
 ہوتا ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
 ملائکہ مقررین میں ان کا ذکر کرتا ہے۔

اسی کے ساتھ ایک اور روایت میں ان ملائکہ کا ذکر ہے جو مجالس ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب ذکرین کی کسی جماعت کو دیکھ لیتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو پکارتے ہیں کہ یہاں آؤ یہاں ہماری ضرورت کا سامان ہے (الذین یلتمسون مجالس الذکر فاذا وجدوا قومًا یدکرون اللہ تنادوا: ہلموا الی حاجتکم) لیکن ان مجالس اور مواقع کے لئے کوئی تاریخ مقرر کر لینا اور اس کی پابندی کرنا بدعت ہے، ابو بکر انخلاف... کتاب الادب میں اسحاق بن منصور الکوسج سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے کہا یہ تو کمرہ ہے کہ لوگ ذکر اللہ کیلئے

۱۳۲

حج ہوں اور دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائیں؟ اس پر امام احمد نے فرمایا کہ اگر لوگ اتفاقاً حج ہو جائیں تو میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا لیکن اگر کثرت سے وہ ایسا کریں تو اسے مکروہ کہا جائیگا۔ (۳۰۴) اسحاق بن راہویہ کی بھی یہی رائے ہے۔ مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ اگر کوئی جماعت کسی قاری سے کچھ سنتی اور دعاؤں میں رات گزارتی ہے تو کیسا ہے؟ امام نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں؛ ارجوان لایکون بہ بائس۔ ابوالسری احراری کہتے ہیں کہ امام احمد فرماتے تھے:

وای شیء احسن من ان یجتمع
الناس یصلون ویذکرون ما انعم
الله بہ علیہم کما قالت الانصار؟
اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے کہ لوگ
حج ہو کر ذکر و نماز میں مشغول ہوں اور
اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کریں جیسا کہ
انصار کا معمول تھا۔

اس روایت میں انصار کے اس معمول کی طرف اشارہ ہے جسے محمد بن یزید نے روایت کی ہے کہ:

ثبت ان الانصار قبل قدوم
رسول الله صلی الله علیہ وسلم
المدينة قالوا: بولنظرنا یوماً
فاجتمعنا فیہ؛ فذکرنا ہذا الامر
الذی انعم الله بہ علینا، فقالوا:
یوم السبت ثم قالوا لا ینجام
مجھے روایت پہنچی کہ حضورؐ کی مدینہ تشریف
آوری سے قبل انصار نے ذکر کے لئے ایک
خاص دن مقرر کرنا چاہا تو بعض لوگوں نے
کہا شنبہ اس کے لئے ٹھیک رہے گا تو اس پر
اکثریت نے کہا کہ ہم یہود کے دن میں مصروف
ذکر نہیں ہوں گے بعض لوگوں نے کیشنبہ کی

اليهود في يومهم قالوا فيم الاحد
 قالوا: لانجام النصراني في يومهم
 قالوا فيوم العروبة، وكانوا يسمون
 يوم الجمعة ليوم العروبة فاجتمعوا
 في بيت ابي امامه اسعد... بن زرار
 فذبحت لهم الشاة فلققتهم -
 رائے دی تو اسے بھی نصاریٰ کا دن کہہ کر
 رد کر دیا گیا، اس کے بعد لوگوں نے کہا عربوں
 کے دن میں کیوں نہ اسے رکھا جائے؟ (جمعہ
 کو عربوں کا دن کہا جاتا تھا) چنانچہ اسی دن
 اسعد بن زرارہ کے گھر میں لوگ جمع ہوئے
 اور ایک بکری کا گوشت ان کے کھانے میں

کافی ہو گیا۔

ابن مسلم طرسوسی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ اگر کچھ لوگ جمع ہوں
 اور ایک آدمی غم میں لہجہ میں تلاوت کرے اور دوسرے سن کر روئیں اور چراغ بجھادیں
 تو کیسا ہے؟ امام نے فرمایا، اگر ابو موسیٰ کی طرح پڑھا جائے تو کچھ حرج نہیں۔
 خلال امام افزاعی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کسی غیر متعین دن میں
 اجتماعی ذکر و شغل کی اجازت دی ہے۔

سندی انخواتمی نے امام احمد سے پوچھا کہ آثار و مقابر پر جانا کیسا ہے؟ تو
 انھوں نے فرمایا کہ ابن کتوم کی اس روایت کے بموجب کہ وہ اپنے گھر کو مسجد بنانا
 چاہتے ہیں یا ابن عمرؓ کی روایت کہ وہ آنحضرت کے آثار و نقش قدم اور آپ کی
 فرودگاہوں کی تلماش میں رہتے تھے۔ ان دونوں روایتوں کو دیکھتے ہوئے اس کی
 اجازت ہے، لیکن لوگوں نے اس میں غلو سے کام لینا بھی شروع کر دیا ہے۔ احمد بن قاسم
 نے ان سے آثار مدینہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے یہی جواب دیا۔ اور حضرت
 ابن عمرؓ کے بارے میں یہ روایت پیش کی کہ:

یتبع مواضع سیر النبی و فعلہم
حتیٰ روی یصب فی موضع ماء
فسئل عن ذالک فقال رأیت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یصب ہنہما ماء۔
وہ ان جگہوں اور ان باتوں کی تلاش میں
رہتے تھے جن سے آنحضرت کا تعلق ہوتا تھا
چنانچہ ایک بار انہیں ایک جگہ پانی بہاتے
دیکھ کر پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نے آنحضرت کو
یہاں پانی بہاتے دیکھا تھا۔

لیکن امام احمد پابندی کو بدعت ہی کہتے ہیں اس لئے کہ حضرت عبداللہ ابن
مسعود نے جب لوگوں کو پابندی سے ایک جگہ ذکر کرتے دیکھا تو فرمایا:
یا قوم! انتم اھدی من محمد
اولاً انتم علیٰ شعبة ضلالۃ۔
مجھے بتاؤ کہ کیا تم محمد رسول اللہ سے بھی زیادہ
ہدایت یافتہ ہو گئے ہو یا اگر ہی کی ایک راہ

پر چل پڑے ہو؟

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ وہ شرعی عبادات و تقریبات جو بار بار آتی رہتی
ہیں بندوں کو دوسری تقریبات سے بے نیاز کر دیتی ہیں، لیکن اس کے بعد بھی
نئی عیدوں اور بدعتوں کو رائج کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی نئی شریعت ایجاد کرنا
چاہتا ہے، صحابہ نے اسی شبہ سے بچنے کے لئے صوم رجب پر روک لگائی، اور حضرت عمر
نے بیعت رضوان کے یادگار درخت کو کٹوانے کا حکم دیا۔ اسی طرح جب انہوں نے
لوگوں کو آنحضرت کے مقام نماز پر نمانے کے لئے ہجوم کرتے دیکھا تو سختی سے منع کر دیا۔ او
فرمایا:

اتریدون ان تتخذوا الناس
انبیاء کم مساجد۔
کیا تم اپنے نبی کے آثار کو سجدہ گاہ بنا
چاہتے ہو؟

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نفل کے لئے اوقات کی پابندی اور جماعت سازی کرنا بدعت ہے اسی طرح آثار و مشاہد کی زیارت کی پابندی بھی بدعت ہے۔ جو قلیل و کثیر، ظاہر و خفی، اور معتاد و غیر معتاد کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جو شے اصلاً مشروع ہے، لیکن پابندی کرنے سے وہ بھی بدعت بن جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ان ہواغ پر مسجد میں شور و غل، مردوں اور عورتوں کا مخلوط مجمع، چراغاں اور روشنی، اور نمازیوں کی توجہ میں کسی طرح خلل ڈالنا یہ سب بدعت کی شکلیں ہیں اور ان کا حکم بھی ممنوعات مسجد (بیع و شرار، شعر خوانی، اور اقامت حدود وغیرہ) کی طرح ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ "صلوات الفیہ" کے حق میں بعض متاخرین حنا بلکہ کیرا لے لیتی ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر حدیث کی حیثیت کی طرف نہیں گئی۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ عبادات کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں، ایک جو خصوصی طور پر مستحب ہیں جیسے فجر کی سنتیں، اور تراویح، اسی میں تہجد بھی داخل ہے، اسی کی دوسری قسم وہ ہے، جو کسی سبب کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، جیسے صلاۃ استسقاء، اور صلاۃ الایات (جو کسی عظیم واقعہ اور حادثہ فطرت کے وقت پڑھی جائے جیسے زلزلہ، سیلاب وغیرہ کے وقت) پھر باتو شریعت کی طرف سے اس کی تعداد بھی متعین ہوتی ہے جیسے وتر کی نماز، اور مطلق ہوتی ہے، جیسے جمعہ کی نماز سے پہلے کی نوافل، اس طرح بقیہ اقسام کی قسمیں ہو جاتی ہیں۔

عبادات کی دوسری قسم وہ ہے جو اپنے معنی کے لحاظ سے مستحب ہو جیسے نفل نمازیں

لے یہاں شیخ حامد الفقی محشی کتاب نے یہ اختلاف کیا ہے کہ نوافل اور ذکر و تلاوت تو مسنون و مشروع ہیں

لیکن آثار و مقابر اور شاہد کی زیارت کہاں مشروع ہے؟

تیسری وہ جو علیحدہ مکروہ لیکن دوسری نمازوں کے ساتھ مل کر مستحب ہو جاتی ہیں جیسے جمعہ کے دن قیام میل، اور کبھی نماز مطلق مکروہ ہوتی ہے، لیکن مخصوص حالات میں اس کی اجازت بھی دیدی جاتی ہے جیسے اوقات مکروہ میں نماز کے بارے میں ڈوریا ہیں کہ آیا وہ اس لئے مکروہ ہیں کہ لوگ کہیں عام طور پر ان اوقات میں نماز نہ پڑھنے لگیں یا یہ کہ وہ مطلق منع ہیں، مگر ضرورت کے مطابق کبھی رخصت بھی دیدی جاتی ہے، امام احمد سے دونوں رائیں ثابت ہیں۔

عید مکانی کی بدعتیں

شیخ فرماتے ہیں کہ کبھی عملی عید کی بدعتوں کے ساتھ کسی مخصوص مقام کی قید بھی لگالی جاتی ہے، جو خروج عن الشریعت، اور بے دینی تک پہنچا دیتی ہے، جیسے عرفہ کے دن کچھ خوش عقیدہ لوگ بعض صاحبین کے مزاروں کا رخ کرتے اور عرفہ مناتے ہیں، ایسے ہی عرفہ کے لئے بیت المقدس کا سفر کرتے ہیں۔ قدس کی زیارت نماز اور اعتکاف کے لئے مشروع ہے لیکن ایام حج میں اس کا قصد مکروہ ہے، اس لئے کہ اس کی زیارت کا کوئی متعین وقت نہیں، اسے کعبہ کا مقام دنیا کی طرح صحیح نہیں، جیسا کہ بعض جاہل صحفہ، کا طواف کرتے اور سر منڈالتے ہیں، ایسے ہی بعض جبل رحمت کے قبہ کا طواف بھی کر بیٹھتے ہیں اور بعض ارباب حال "مسجد اقصیٰ میں سماع اور دف بجانے کا مشغل انجام دیتے ہیں، عرفہ کے دن اپنے شہر کی مسجد میں نماز و دعا کے لئے جانا ابن عباسؓ اور لہ عید مکانی سے مراد وہ عیدیں ہیں جو کسی مخصوص مقام پر انجام دی جاتی ہیں اب تک جن بدعت عیدوں کا بیان تھا، وہ وقت و زمانہ سے متعلق تھیں، اس لئے انھیں "عید زمانی" کہا جاسکتا ہے مرتب

عروبن حریش سے ثابت ہے۔ بصرہ و مدینہ کے کچھ علماء بھی اس کے قائل ہیں اور امام احمد نے بھی رخصت دی ہے لیکن وہ اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

لیکن کوفہ اور مدینہ کے بعض علماء جن میں ابراہیم غمی، اور امام ابو حنیفہ، امام مالک بھی شامل ہیں اسے کروہ کہتے ہیں، مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو کہتے سنا کہ آدمی کو دو ماخضیہ طور پر مانگنا چاہئے، وہ اسے صحابہ کی رائے بھی قرار دیتے تھے۔ خلال نے قتادہ او سعید بن مسیب سے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ:-

احداث الناس بالصوت عند الدعاء لوگون نے دعا کے ساتھ بلند آوازیں ایجاد کر لی ہیں۔

سعید بن عروبہ سے روایت ہے کہ مجاہد بن سعید نے کچھ لوگوں کو دعائیں غلو کرتے دیکھا تو ان کے پاس گئے اور کہا لوگو! اگر سلف کے عمل کے ساتھ یہ زیادتی کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے چنانچہ وہ لوگ ایک ایک کر کے چپکے سے کھسک گئے۔

ابوالفتح کہتے ہیں میں نے امام حسن بصری سے پوچھا ہمارا امام وعظمتنا ہے اور لوگ آخر میں زور سے دعائیں مانگتے ہیں تو امام نے فرمایا:-

ان رفع الصوت بالدعاء بدعة زور سے دعا مانگنا بدعت ہے۔

وان مد الايدي بالدعاء بدعة دعا کے لئے ہاتھ بھیلانا بدعت ہے۔

وان اجتماع الرجال والنساء بدعة مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع بدعت ہے

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا اختلافی مسئلہ ہے، اور اس کے متعلق مختلف حدیثیں ہیں، امام فرماتے ہیں کہ سنت پر کوئی نہیں عمل کرتا لیکن بدعت کی طرف سب پکتے ہیں، عید کی تکبیروں اور مردوں کے بعد عورتوں کو خطاب کرنے کی سنت،

عید گاہ کے پاس ہی قربانی کرنے کی سنت وغیرہ کو کوئی انجام نہیں دیتا۔ حالانکہ دین تو معروف کرنے اور حکم دینے اور منکر سے رکنے اور روکنے ہی کا نام تھا۔

فان الدين هو فعل المعروضة والا مريبه وترك المنكر والنهي عنه۔

شیخ فرماتے ہیں کہ عید مکالی کی پھر ۳ قسمیں ہو جاتی ہیں جیسے عید زانی کی تین اقسام تھیں، ایک وہ جس کی شریعت میں کوئی خصوصیت نہیں، دوسری وہ جس میں خصوصیت تو ہے، لیکن عبادت بدعت ہے، تیسری وہ جس میں عبادت ہے، لیکن عید منانا نہیں ہے، ان تینوں کے بارے میں آثار مروی ہیں، جیسے مقام بوانہ پر ایفانہ نذر کی رخصت آپ نے دی۔ یا فرمایا کہ میری قبر کو عید گاہ مت بنانا، یا یہ کہ حضرت عمرؓ کا انبیاء کے آثار کو عید گاہ بنانے سے روکنا۔ اس لئے ذکر و دعا اور نماز کے لئے کسی مقام کو خاص کرنا کھلی گمراہی ہے۔ اور اگر اس میں کفار و مشرکین کے بھی آثار ہیں تب تو اس کی قباحت اور بڑھ جاتی، اور وہ لات و منات کی عبادت بن جاتی ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ان بتوں کی تقسیم بھی علاقائی تھی۔ لات اہل طائف کا خدا تھا، جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ ایک نیک آدمی تھا جو حجاج کو سٹو کھلاتا تھا، جب وہ مرا تو لوگوں نے اس کی قبر پر اس کا بت نصب کیا اور اس مقام کو بت الرتبہ کا نام دیا، فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسے منہدم کیا۔

عربی عرفات کے قریب واقع اور اہل مکہ کی دیوی تھی، آنحضرتؐ نے خالد بن ولیدؓ کے ذریعہ اس کا استیصال کرایا اور وہاں کے خزانہ کو تقسیم فرمایا، اس وقت وہاں سے ایک پریشان حال اور زولیدہ موشیطانہ کو دیکھا گیا جو بھاگی چلی جا رہی تھی، منات اہل مدینہ کی دیوی تھی جس کی جے پکاری جاتی تھی۔

جو مشرکین کے حالات اور بعثت کے وقت عرب کے احوال سے آگاہ ہونا اور شریعت کو سمجھنا چاہنا ہے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، عرب کی تاریخ اور ازرقی وغیرہ کی کتابیں دیکھنا چاہئیں، وہ فرماتے ہیں کہ کسی مخصوص عبادت گاہ اور مقام کے لوگوں پر صدقہ کی نذر ماننا بھی بدعت اور مشرکین سے مشابہت ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم نے ان بتوں کے پیاریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

مَا هَذِهِ التَّمَاثِلَ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا
عَاكِفُونَ - (۵۲:۲۱) پر دھڑا دے بیٹھے ہو؟

شیخ فرماتے ہیں کہ مزاروں کے پیروں، فقروں، مجاوروں کو ہدیہ اور نذرانہ دینا اگر جا کے راہبوں، مندروں کے سنیاسیوں اور پنڈتوں، اور بدھ کے استوپے کے چیلوں کو نذرانہ دینے کے مرادف ہے۔

چند بدعت گاہوں کی نشاندہی

بڑی حلقوں میں ہمیشہ نامعلوم مزاروں کو کسی مشہور و معروف شخصیت کی طرف منسوب کر کے عوام کی توجہ اپنی طرف کر لی جاتی ہے اور اس طرح اکل حرام کا کاروبار چل نکلتا ہے۔

دمشق میں پوربلی دروازہ سے باہر ابی بن کعب کی شہادت گاہ کہی جاتی ہے حالانکہ اہل علم متفق ہیں کہ ان کی وفات دمشق میں نہیں بلکہ مدینہ منورہ میں ہوئی ہے ایسے ہی جامع دمشق کی مغربی دیوار کے پاس حضرت ہود کی قبر بنائی جاتی ہے لیکن میں کسی اہل علم کو نہیں جانتا جو حضرت ہود کی موت کو دمشق میں بتاتا ہو بلکہ میں اؤیکہ کا نام

یا جاتا ہے، آپ کی بعثت یمن میں اور ہجرت مکہ کی طرف ہوئی تھی، لیکن شام سے آپ کا کوئی تعلق نہ تھا۔

دمشق کے مغربی دروازے پر اویس قرنیؓ کی قبر بھی جاتی ہے، لیکن مجھے معلوم ہے کہ حضرت اویسؓ نے دمشق میں وفات پائی تھی، اور نہ وہ یہاں کبھی آئے تھے، بلکہ وہ یمن سے عراق آئے تھے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صفین میں ان کی شہادت ہو گئی تھی، کچھ کہتے ہیں کہ ان کی موت نوحی ایران میں ہوئی۔

ایسے ہی ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی قبر مشہور ہے لیکن ان کا کبھی دمشق آنا ہی ثابت نہیں، اس لئے کہ وہ آنحضرتؐ کے بعد سفر کرتی ہی نہیں تھیں، بلکہ یہ ام سلمہؓ اسما بنت یزید بن سکن انصاریہ ہو سکتی ہیں۔ اس لئے کہ اہل شام جیسے شہرین خوشب جب ان سے روایت کرتے ہیں تو انھیں "ام سلمہ" ہی کہتے ہیں۔ جو حضرت معاذ بن جبلؓ کی چچیری بہن اور اعیان صحابیات میں تھیں، یا یہ ام سلمہؓ یزید بن معاویہؓ کی بیوی ہو سکتی ہے، لیکن وہ علم و دین کے لحاظ سے شہرت نہیں رکھتی تھی۔ اس لئے یہ امکان بعید ہے۔

قاہرہ میں ایک مدفن اس حسینؓ کے نام سے مشہور ہے اس کی اصل یہ ہے کہ عسقلان میں ایک قبر تھی جس کے باسے میں کہا جاتا تھا کہ اس میں حضرت حسینؓ کا سر اقدس مدفون ہے جسے قاہرہ لیا گیا لیکن یہ سب بالکل غلط اور افواہ ہے، اسی سلسلہ میں "قدم رسول" کی دریافت "جگہ جگہ ہوتی نظر آتی ہے۔"

لہ ہنستان میں بھی متعدد مقامات پر قدم رسولؐ کے نام پر قدموں کے نشان اور ان پر مانتیں تعمیر کی گئی ہیں بہر حال میں میں ایک عمارت میں اسے دیکھا جس میں پتھر پر ایک بٹے پاؤں اور ہاتھ کی چھاپ کھود کر نمایاں کی گئی ہے، اور اسے قدم ہول شہو کہا گیا ہے۔ مرتب

صفحہ بیت المقدس کے بائیں میں بھی مشہور ہے کہ اس میں آنحضرت کے نقش قدم موجود ہیں، دمشق کی مسجد قدم میں حضرت موسیٰ کا نقش قدم بتایا جاتا ہے لیکن یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حضرت موسیٰ دمشق اور اس کے اطراف میں کبھی تشریف نہیں لائے، اسی طرح اگر کسی مقام پر کسی نبی یا ولی کی خواب میں زیارت ہو جاتی ہے تو اس مقام کو بھی مقدس سمجھا جانے لگتا ہے، بعض مقامات پر کسی مرد صالح کی تصویر یا اس کے کسی عضو کی تصویر بنا کر اس سے برکت طلب کی جاتی ہے، جیسے دمشق میں ایک مسجد الکف مشہور تھی، اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ نقش کف حضرت علیؑ کے ہاتھ کا نقش ہے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ خود بخود ڈھلے گیا۔

حجاز میں بدر سے کہ جاتے ہوئے دائیں ہاتھ پر ایک غار مشہور ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وہی غار ہے جس میں آنحضرتؐ اور حضرت صدیقؓ نے پناہ لی تھی، لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ وہ غار ہے جو کہ کے قریب جبل ثور میں واقع ہے، ان مقامات کا حکم مسجد صغیر کی طرح ہے، جس میں کھڑا ہونا اور نماز پڑھنا منع فرما دیا گیا تھا۔

اہل علم کے ایک حلقہ کا خیال یہ ہے کہ انبیاء میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک متعین اور محفوظ ہے، اور کسی نبی کی نہیں، لیکن بعض لوگ حضرت ابراہیمؑ کی قبر ثابت کرتے ہیں، دمشق کے باب صغیر کے پاس صحابہؓ کے مزارات کہے جاتے ہیں، لیکن ان کی تعیین مشکل ہے، اس کے ساتھ ہی ان مقامات کو مقدس سمجھنا اور پابندی سے ان پر حاضری دینا ان کے لئے نذرانا بالکل خیر اسلامی شعار ہے، نذر کے بائیں میں حضورؐ فرماتے تھے:

انہ لایا تالی بخیر و اعلیٰ لیکن ج ب کراس میں کوئی بھلائی نہیں مگر یہ کہ اس سے بخیر البغیل۔ کے پاس سے بھی کچھ نکل آتا ہے۔

اجابت دعا کے لئے جان لینا چاہئے کہ اس کا سبب کبھی دعا گو کا اضطراب و تضرع، اور اس کی مخلصانہ التجارہ ہوتی ہے کبھی محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے کبھی وہ تقدیری طور پر انجام پاتا ہے اور کبھی دوسرے اسباب بھی ہوتے ہیں، اسی لئے دعا کے مطابق پورا اثرنا ایک بڑی آزمائش ہے کفار کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں لیکن یہ ان کے لئے ہلاکت ہی ہوتی ہیں۔

كَلَّا لَمُدُّهُ هُوًّا لَّآءٍ وَهُوَ لَآءٍ مِّنْ عَطَاٍ
رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاٍ رَبِّكَ مَحْظُورًا
ہم آپ کے رب کی عطا سے سب کو دیتے ہیں،
اور آپ کے رب کی عطا کسی پر بند نہیں۔

(۲۰:۱۷)

بعض مقامات کی خصوصیت ہے لیکن انھیں عید گاہ اور عبادت گاہ بنانا روح اسلام کے منافی ہے، ان جگہوں میں انبیاء اور صالحین کی قبریں ہیں لیکن قبروں کے بارے میں آنحضرت کی تعلیم ہے:

لا تجعلوا بیوتکم قبورا ولا تجعلوا
قبری عیدا وصلوا علی فان
اپنے گھروں کو قبرت بناؤ اور نہ میری قبر کو
عید گاہ بناؤ، مجھ پر درود پڑھو تم جہاں سے بھی
صلا تکرم تبلیغنی حیثما کنتم۔ (ابورؤد)

ابویعلیٰ موصلی نے ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کی ہے کہ علی بن حسین (امام زین العابدین) نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مزار شریف کے ایک کونہ میں داخل ہو کر دعا مانگتا تھا آپ نے اسے روکا اور مذکورہ بالا حدیث سنائی۔

۱۴۳

سعید بن منصور نے بھی اپنی سنن میں یہی روایت بیان کی ہے ان کی دوسری روایت یہ ہے کہ ابن ابی سہیل کو حسن بن حسن نے قبر مبارک کے پاس دیکھ کر بلایا اور پوچھا قبر کے پاس کیا کر رہے تھے، میں نے کہا سلام عرض کر رہا تھا اس پر آپ نے فرمایا کہ جب مسجد میں داخل ہو اسی وقت سلام کہہ لیا کرو اور پھر آپ نے وہی روایت اس اضافہ کے ساتھ بیان کی۔

لعن الله اليهود اتخذوا قبورا انبياءهم
 مساجدا ما انتم ومن بلانلس
 خدا یہود پر لعنت کرے کہ انھوں نے اپنے انبیاء
 کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، تم اور جو اندلس میں
 ہیں وہ برابر ہیں (یعنی جہاں سے درود بھیجے گا
 اسوا۔)

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ روئے زمین پر قبر نبوی سے زیادہ با عظمت اور کوئی قبر نہیں لیکن اس کے لئے بھی آنحضرتؐ نے سختی سے کسی میلے اور عرس سے روک دیا، پھر اور کس کی قبر کے لئے یہ سب جائز ہو سکتا ہے۔

پھر یوں بھی درود و سلام پہنچانے کے لئے جسمانی حاضری کی ضرورت نہیں اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ درود جہاں سے بھی پڑھا جائے وہ ان تک پہنچتا اور خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے۔

ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے:-

ما من احد یسلم علی الارذ الله علی
 روحی حتی ارد علیہ السلام صلی الله
 جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح
 مجھے لٹا دیتا ہے، جسکے سبب میں اس کے سلام کا جو آ
 دیتا ہوں کہ خدا اس پر بھی رحمت و سلامتی نازل کرے
 علیہ وسلم۔

ابوداؤد ہی نے اویس بن اویسؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

الکثر والصلوة علی یوم الجمعة
 وليلة الجمعة فان صلاتکم معروضه
 علی قالوا: یا رسول اللہ کیف
 تعرض صلاتنا علیک وقد ادمت؟
 فقال: ان اللہ حرم علی الارض
 ان تاكل لحوم الانبياء۔

جموعہ کے دن رات میں مجھ پر کثرت سے درود
 بھیجو اس لئے کہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا
 ہے، لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کا جسم
 تو فنا ہو چکا ہوگا؟ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا
 اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کو حرام کر دیا
 ہے۔

مسند ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔
 من صلی علی سمعتہ ومن صلی علی
 نائماً بلغته۔ (داقطنی)

جو مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں، اور
 جو دوسرے درود پڑھتا ہے اسے مجھ تک پہنچا دیا
 جاتا ہے۔

نسائی میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

ان اللہ وكل بقبری ملائکة
 یبلغون عن امتی السلام۔

اللہ نے میری قبر کے لئے ایسے فرشتے مقرر کئے
 ہیں جو مجھ تک میری امت کے سلام پہنچاتے ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد حدیثیں ہیں جن کا مفہوم یہی ہے۔

عام مسلمانوں کی قبروں کا یہ حکم ہے کہ وہ قابل احترام ہوتی ہیں اس لئے کہ وہ
 مسلمان میت کا مکان ہیں جن پر بالاتفاق نجاست نہیں ڈالی جاسکتی، نہ انھیں روندنا
 جاسکتا ہے، نہ ان پر تکیہ لگایا جاسکتا ہے، نہ اور کسی قسم کی توہین کی اجازت دی جاسکتی
 ہے اور نہ وہاں بدکلامی وغیرہ کی اجازت ہے، بلکہ قبرستان میں کلام اور دعا کا حکم ہے

۱۲۵

بریدہ بن حبیبؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ کسی قبرستان میں جا سکتے تو فرماتے :-

السلام علی اهل الدیار من المؤمنین
والمسلمین وانان شاء الله بکم
لاحقون نسأل الله لنا ولكم العاقبة
اہل مقام کے مومنین و مسلمین پر سلام ہم بھی
انشاء اللہ آپ سے ملنے والے ہیں، ہم انشر
سے اپنے اور آپ کے لئے عافیت کی دعا
(مسلم) کرتے ہیں۔

دوسری روایت میں یہ ہم احلہ المستقدمین منا والمستأخرین،
کے الفاظ زیادہ ہیں۔

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، میں نے آنحضرتؐ کو بقیع میں
کہتے سنا :-

السلام علیکم دار قوم مومنین
انتم لنا فرط ونحن بکم لاحقون
اللهم لا تحرمنا الجرحم ولا تفتننا
مومن قوم کے گھر پر سلام۔ تم ہمارے پیشرو اور
ہم تم سے ملنے والے ہیں، اے انشر ہمیں انکے
اجز سے محروم نہ رکھو اور ہمیں ان کے بعد آزمائش
بعداہم۔
میں نہ ڈال۔

ابن عباسؓ سے مدینہ کے قبرستان کے سلسلے میں آنحضرتؐ کی دعا اس طرح
مروی ہے :-

السلام علیکم یا اهل القبور یغفر
الله لنا ولكم سلفنا ونحن بالآثر
اے قبر والو تم پر سلام۔ اللہ ہماری تمہاری
منفرت کرے تم سلفن ہو اور ہم تمہارے
(احمد و ترمذی) پیچھے ہیں۔

ابوداؤد کی حدیث ہے کہ جب کسی مردے کا شناسا اس کی قبر سے گزرتا اور سلام

کرتا ہے، تو اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے، اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ تلقین میت کو دفن کے بعد لوگوں نے اچھا سمجھا ہے اگرچہ اس کی حدیثیں اس پایہ کی نہیں لیکن حنا بلہ نے بھی جائز کہا ہے، ابن بطہ نے الابانہ میں نافع کی روایت لکھی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو میں نے.. اسے زائد مرتبہ مزار شریف پر آتے اور کہتے سنا ہے کہ نبی پر سلام ہو، اور ابو بکرؓ کو سلام، اور میرے باپ عمرؓ کو سلام ہو۔

زیارت قبر نبیؐ کا جملہ جائز ہے حتیٰ کہ کفار کی قبروں کو بھی دیکھا جاسکتا ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت چاہی تو مجھے نہیں ملی لیکن زیارت کی اجازت ملی۔

دوسری روایت ہے:

زار النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی
قبر امام قبلیٰ و ابلی من حوله فقال	زیارت کے موقع پر روئے اور آپ کے ساتھ کے
استاذنت ربی ان استغفر لها فلم	لوگ بھی روئے پھر کہنے فرمایا کہ میں نے دعا سے
یاذن لی، واستاذنتہ فی ان ازور قبرها	مغفرت کی اجازت چاہی تھی لیکن صرف
فأذن لی فذوروا القبور فانہا تذکوا لموت	زیارت کی اجازت ملی۔ قبروں کی زیارت
	کرو کیوں کہ وہ موت کو یاد دلاتی ہے۔

حدیث "لا تشدوا الرجال" کے پیش نظر مقابر و مزارات اور مساجد ثلاثہ کے

لئے قبروں کی زیارت کی پہلے ممانعت تھی بعد میں اس شرط کے ساتھ اجازت ملی کہ وہ موت اور آخرت کو یاد دلاتی ہے اگر کسی مسلم اور غیر مسلم کی قبر کی زیارت، عبرت و مواعظت کے لئے نہ ہو بلکہ عزت و عظمت اور خراج عقیدت کے خیال سے اور بار پھول چڑھانے کے لئے ہو تو اس کی اجازت اس حدیث سے نہیں ملتی۔
مرتب

علاوہ کے لئے سفر ممنوع ہے، البصرہ بن ابی البصرہ غفاریؓ نے جب حضرت ابوہریرہؓ کو کوہ طور کی زیارت سے واپس آتے دیکھا تو فرمایا کہ ”اگر میں نے پہلے آپ کو دیکھا ہوتا تو وہاں جانے نہ دیتا، اس لئے کہ حضورؐ نے شذر حال سے منع فرمایا ہے۔“

دوسرا گروہ مجوزین کا ہے جن میں عزالیؒ، ابوالحسن بن عبدوس الحمرانیؒ ابو محمد مقدسی ہیں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا ہے کہ قبروں کی بے جا تعظیم کی ہر صورت کو شریعت نے اسی لئے ناپسند کیا ہے کہ وہ شرک کی سنگ بنیاد ہے، اگلی امتوں کی گمراہیاں یہیں سے شروع ہوئیں کہ انھوں نے اپنے صاحبین اور بزرگوں کی وفات کے بعد ان کی یادگاریں MEMORIALS بنا کر انھیں ”خراب عقیدت“ پیش کرنا ضروری سمجھا رفتہ رفتہ یہ عقیدت عبادت سے بدل گئی اور باقاعدہ ان کے مجسموں، بتوں اور تصویروں کی پوجا ہونے لگی، عرب کے مشہور بت لات ”اس نام کا ایک صالح آدمی جب مرا اس کے مریدوں نے اس کی پوجا شروع کر دی، اسی طرح ”ودا سواع“ ینوث، یعوق، اور نسر، حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان گزبے ہوئے صالح لوگ تھے، جن کی بعد میں پوجا ہونے لگی۔ محمد بن جریر طبریؒ نے اس موقع کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”یہ صالح لوگ تھے جن کے مرنے کے بعد ان کے پیڑوں نے یہ طے کیا کہ ان کی تصویریں عبادت کے وقت ہمارے سامنے رہیں تو خیال کو جانے میں آسانی ہوگی، اور عبادت کا لطف بھی بڑھ جائے گا۔ اور جب یہ طبقہ قرآن و شیطان نے بعد کے لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ تمہارے اسلاف تو انہی بتوں اور تصویروں ہی کی پوجا کرتے اور مشکلات میں مدد مانگتے تھے، چنانچہ اس طرح باقاعدہ شرک کا آغاز

ہوگا، قتادہ کی رائے ہے کہ یہ بڑے حضرت نوح کی قوم کی ایجاد تھے، جن کی روایت پر عربوں نے بھی ان کی پوجا شروع کر دی، شیخ الاسلام کا کہنا ہے کہ احترام و تعظیم کے بارے میں بھی اسلامی تعلیمات اعتدال اور توازن کا نمونہ ہیں:-

ولكن دين الله بين الغالي فيه
والجافي عنه، فان النصرى عظمو
الانبياء حتى عبدوهم وعبدو
تماميهم واليهود استغفوا بهم
حتى قتلوهم والامة الوسط عرفوا
مقاديرهم فلم يغادوا فيهم غلوا
النصارى ولم يجفوا عنهم جفاء
اليهود ولهذا قال صلى الله عليه
وسلم فيما صح عنه: لا تطروني
كما طرت النصارى عيسى بن مريم
وانما انا عبد، فقولوا عبد الله
ورسوله-

خدا کا دین افراط اور تفریط کے درمیان ہے،
نصارئ نے انبیاء کی ایسی تعظیم کی کہ ان کی جہاد
کرنے اور ان کی تصویروں کو پوجنے لگے، اور
یہود نے ان کی ایسی توہین کی کہ ان کو قتل میں
بھی کوئی باک نہیں تھا، امت وسطی نے انبیاء
کی عظمت کا صحیح ادراک کیا اس لئے نہ انھوں
نصارئ کی طرح غلو کیا نہ یہود کی طرح بے رحمی
برتی، اس لئے حضور نے فرمایا: مجھے اس طرح
نہ بڑھا دینا جیسے نصاری نے عیسیٰ کو بڑھایا
میں تو صرف ایک بندہ ہوں، مجھے خدا
کا بندہ اور اس کا رسول ہی سمجھو۔

قبروں پر دعا کا حکم

شیخ الاسلام یہ تصریح کرتے ہوئے کہ ان کے مسلک میں قبروں کے پاس نماز
صحیح نہیں ہوتی فرماتے ہیں کہ قبروں پر دعا مانگنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اتفاقاً

کسی وجہ سے قبر کے پاس دعا کا موقع آگیا جیسے کوئی دعا کرتا ہو اور راستہ میں جا رہا تھا کہ کوئی قبر آگئی تو اس میں کوئی حرج نہیں، دوسری شکل یہ کہ یہ سمجھ کر کہ فلاں کی قبر کے پاس دعا زیادہ قبول ہوگی تو یہ قطعاً ممنوع ہے۔

اور یہ روایت کہ اذا تخیرتم فی الامور فاستعینوا باهل القبور (جب تم مشکلات میں گھر جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو) یہ بالاتفاق موضوع اور کذب ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو اس ممانعت میں مصطحت بھی تھی کہ دلوں کی رغبت و رہبت اور خوف و طمع کا کوئی تعلق قبروں سے باقی نہ رہے، فرماتے ہیں کہ عام حالات میں ایسی جگہوں پر نماز پڑھنا اتنا برا نہیں جتنا حالتِ اضطراب و اضطراب میں کسی کا ان قبروں کے پاس دعا مانگنا، اس لئے اس صورت میں بندہ حاجت روائی اور مقصد برآری کے لئے ہر ممکن صورت اختیار کرتا ہے اور اچھے اچھے خوش عقیدہ اور صحیح اخیال لوگ بھی ایسے حالات میں ان حالات کا شکار ہو جاتے، اور نفس نہیں یہ دھوکہ دیتا ہے کہ اضطرابی حالات میں تو مردار بھی حلال ہو جاتا ہے حالانکہ یہ نفس کی اتباع کے سوا کچھ نہیں اور اس کا حاصل شرک جلی ہے کہ جس سر کو ایسے وقت میں خدائے رحیم و کریم کے سامنے جھکنا تھا، وہ درگہ غیر پر پڑا ہوا ہے۔

پانی پانی کر گئی مجھ کو فلندہ کی یہ بات

تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من ! (اقبال)

شیخ فرماتے ہیں کہ یہ قبروں پر دعا کی بدعت تو دوسری صدی ہجری کے بعد کی ایجاد ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ کے عہد میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا، عہد صحابہؓ میں کئی دفعہ قحط پڑا اور حوادث پیش آئے لیکن تبریزی کے پاس اگر انھوں نے کبھی دعا

نہیں کی بلکہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے وسیلے سے دعا کی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہا کشفتم عن قبر النبیؐ لینزل المطر، فانہ رحمة تنزل علی قبرہ۔ (انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے بارش کے لئے پردہ وغیرہ ہٹا دیا اس لئے کہ بارش بھی خدا کی رحمت ہے جو ان کی قبر پر نازل ہوتی ہے) جب عہدنا بعین میں قبر مبارک پر حجرہ کی تعمیر ہوئی تو لوگوں نے قبر کے اوپر کی چھت کو آسمان کی طرف کھلی رکھا جو اب بھی باقی ہے اور اس کے کنارے موم بنیاں لگی رہتی ہیں جنہیں پیھر رو کے رہتے ہیں چھت اسی طرح بہت بلند تک کھلی رہی یعنی ۶۵ فٹ کے لگ بھگ جب مسجد ومنبر آتشزدگی کے حادثہ سے دوچار ہوئے اور حجاز میں اس غضب کی آگ لگی کہ بصری میں دیکھی جاسکتی تھی، اور اس کے بعد عالم اسلام پر تار یوں کا سیل بلاخیز ٹوٹ پڑا تو لوگوں نے پوری چھت تعمیر کر دی اور حجرہ شریف کے گرد کلوڑی کی دیوار کھڑی کر دی گئی اور اس کے کئی سال بعد چھت پر قبہ مبارک کی تعمیر ہوئی جس کی کچھ علمائے حق نے مخالفت بھی کی۔

محمد بن اسحاق کے معازی میں ابو العالیہ سے روایت ہے کہ جب ہم نے نستر فتح کیا تو ہرمزان کے بیت المال میں ایک چارپائی پر ایک مردہ کو دیکھا جس کے سر کے قریب اس کا مصحف رکھا ہوا تھا چنانچہ ہم وہ مصحف حضرت عمرؓ کے پاس لائے آپ نے حضرت کعبؓ کو بلایا تو انہوں نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا میں پہلا عرب تھا جس نے قرآن کی طرح اسے پڑھا میں نے ابو العالیہ سے پوچھا کہ اس میں کیا تھا؟ تو انہوں نے کہا کہ اس میں تم اصحاب نبیؐ کی سیرتیں، حالات، حتیٰ کہ تمہاری بویاں اور تمہارے بعد کے واقعات بھی درج تھے میں نے پوچھا تم نے اس مردہ کو کیا کیا؟ کہا کہ

صبح کو ہم نے ۱۳ قبریں کھودیں اور رات کے وقت ان میں سے ایک میں انھیں دفن کر دیا اور تمام قبروں کو برابر کر دیا تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چل سکے، میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کیا ڈرتھا؟ انھوں نے کہا کہ عیسائیوں کو بارش کی ضرورت ہوتی تو اس چار پائی کو باہر نکالتے جس کی وجہ سے بارش ہو جاتی تھی، میں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب تھے؟ انھوں نے کہا کہ انھیں دانیال کہا جاتا تھا، میں نے پوچھا کہ اتنا سن وفات کیا ہوگا؟ انھوں نے کہا کہ وہ تقریباً ۳۰ سال پہلے مرے تھے، میں نے کہا کہ ان کے جسم میں کوئی فرق نہیں ہوا تھا؟ انھوں نے کہا نہیں، صرف پیچھے کے چند بال جھڑ گئے تھے، اس لئے کہ انبیاء کا جسد اطہر زمین پر حرام ہے اور پرندے بھی اسے نہیں کھا سکتے، "مہاجرین و انصار کے اس عمل سے اسلام کے منشا کا اندازہ ہو سکتا ہے، اسی طرح حضرت ابوالیوب انصاری کا مزار قسطنطنیہ میں مشہور ہے، لیکن صحیح معلوم نہیں، ان کے علاوہ بے شمار صحابیوں کی قبریں عالم اسلام کے اطراف و جوانب میں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کسی تابعی سے ثابت نہیں کہ انھوں نے وہاں دعا کی ہو۔

قبر پرستی کے دلائل کا ابطال

بعض لوگ قبر پرستی اور اس کے متعلقات کے سلسلے میں اس سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت معروون کرخؓ کے مزار کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ تریاق مجرب ہے اور ان سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی قبر کے پاس دعا کی وصیت کی تھی، لیکن ابوعلی خرقی نے ان لوگوں کا واقعہ بیان کیا ہے جنھیں امام احمد نے چھوڑ دیا تھا، وہ ان کی قبر کے پاس آکر دعائیں مانگتے تھے، غالباً اس واقعہ کو مروزی نے بھی لکھا ہے

اور متاخرین نے لکھا ہے کہ مناسک حج میں قبر نبوی کی زیارت کے موقع پر زائر کو دعا بھی مانگنی چاہئے، اور کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ جو آدمی شہر بار قبر مبارک کے پاس درود شریف پڑھے اور دعا مانگے تو وہ قبول ہوگی، اور بعض فقہانے لکھا ہے کہ جب سلام و درود اور ذکر و دعا کی اجازت ہے تو وہاں قرأت قرآن بھی ہو سکتی ہے، اس کے ساتھ بعض لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ فلاں قبر کے پاس دعا مانگی جائے مزارات پر لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی بھی دیکھی گئی ہیں حتیٰ کہ بعض مزارات اس سلسلے میں مشہور بھی ہیں، جیسے شیخ ابو الفرج شیرازی مقدسی کی قبر، اور ہم نے بھی متعدد اہل علم اور اصحاب فضل کو دعائیں مانگتے اور وہاں مراقبہ یا اعتکاف کرنے دیکھا ہے، جن میں بعض صاحب کرامت لوگ بھی ہوتے تھے، یہاں تک تو "قبور یوں" (بقول شیخ الاسلام) کے دلائل تھے جو اب میں شیخ فرماتے ہیں کہ ہم نے اگر اس کی کراہت کا بیان کیا ہے تو اس لئے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں، نہ قرون ثلاثہ میں اس کا استحباب ثابت ہے، اور بعد کی امت اسلامیہ نے بھی اسے مکروہ ہی سمجھا، اور ویسے بھی امت کا اجماع کسی ایسی بات پر مہوی نہیں سکتا جسے متقدمین اور سلف نے برا سمجھا ہو۔

اور جو کچھ اس کے جواز میں منقول ہوتا ہے وہ کذب پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے امام شافعی کی طرف یہ جملہ منسوب ہے کہ جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں امام ابو حنیفہ کی قبر کے پاس دعا کرتا ہوں اور وہ قبول ہوتی ہے، لیکن یہ صراحتاً بے اصل ہے، اس لئے کہ امام شافعی جب بغداد تشریف لے گئے ہیں تو وہاں کوئی معروف قبر نہیں تھی اس کے علاوہ امام شافعی نے حجاز، یمن، شام، اور عراق و مصر میں انبیاء صحابہ اور تابعین کی کتنی قبریں دیکھی ہوں گی لیکن کہیں ان سے دعا ثابت نہیں، خود امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں

صاحبین زفر، حسن، ابن زیاد وغیرہ کسی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ امام صاحب کی قبر پر دعا مانگتے ہوں، اور امام شافعی کا مسلک تعظیم قبور کی کراہت سے متعلق اوپر گزر بھی چکا ہے۔

یا اگر کسی نے ایسا کیا بھی ہو تو اسے اجتہادِ غلطی ہی کہیں گے، یا جن لوگوں نے اجازت دی ہوگی انھوں نے ضروری شرائط کے ساتھ ہی دی ہوگی، پھر دعائیں تو مشرکین کی بھی قبول ہوتی تھیں اور ہوتی ہیں، جیسے بلعم بن باعورار کی دعا قوم موسیٰ کے حق میں قبول ہوئی لیکن وہ خود کافر ہی رہا۔ اور کسی کی دعا قبول ہوئی تو یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اسی قبر کی برکت سے قبول ہوئی بلکہ آدمی چند دعائیں مانگتا ہے اس میں ظاہر ہے کہ کوئی شاذ و نادر قبول ہو ہی جائے گی، لیکن اس نادر اتفاق کو سنہ میں پیش کرنا سفاہت ہی ہے۔

اور پھر ان قبروں سے بڑھ کر تو مخلصین کی دعا قبول ہوتی ہے، لوگ اگر صبح کو یا مسجدوں میں، یا نماز کے بعد یا مسجدوں میں تضرع اور اتہال کے ساتھ دعا مانگیں تو بغیر کسی مانع کے ان کی دعا قبول ہوگی، حضور نے فرمایا ہے:

ما من عبد يدعوا الله بدعوة	جب کوئی بندہ دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ
ليس فيها اثم ولا قطعية رحم	اور قطع رحم نہ ہو تو اللہ اس کے بدلے میں
الا اعطاه الله بها الحدی	تین میں سے ایک بات کرتا ہے، یا تو اس کی
خصال ثلاث: اما ان يجعل الله	دعا سے دینا ہی میں دے دی جاتی ہے یا
له دعوة او يدخر له من الخير	آخرت کے لئے اٹھا رکھی جاتی ہے، یا اس
مثلها او يصرف عنه من الشر مثلها	دعا کی مقدار کوئی مصیبت اٹھائی جاتی ہے

قالوا یا رسول اللہ! اذن تکسر، لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! تب تو ہمیں خوب
 قال: اللہ اکثر، دعا مانگنی چاہئے؟ فرمایا اللہ بھی تو خوب دینے
 والا ہے۔

کسی قبوری کی دعا قبول بھی ہوئی تو اس کے نتیجہ میں اس کے توحید میں نقص
 آجاتا، خدا کا تعلق کمزور پڑ جاتا، اور اس کا دل ایمان کی اس اذیت و صلاوت سے
 محروم ہو جاتا ہے جسے سالفین اولین محسوس کرتے تھے اور برکت بھی چھین لی جاتی
 ہے، شیخ الاسلامؒ یہاں ایک حکمتِ ایمانی پر مشتمل بات کہہ رہے ہیں کہ تمام شرعی طور پر
 حرام چیزیں جن میں لوگوں کو بظاہر نفع محسوس ہوتا ہے، جیسے نجوم کے حساب....
 قوتِ ارادی کا غلط استعمال جیسے نظر لگانا یا سحر کرنا، حرام دعا مانگنا، غلط صلط
 تعویذ لکھنا، اور دوسرے غلط طبعیاتی تجربے کرنا وغیرہ، ان سب کا فائدہ ان کے
 نقصان سے بہت کم ہوتا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں شرعی طور پر مباح اور مستحب
 طریقے دینی اور دنیوی دونوں مفید ہوتے ہیں جیسے مادی اسباب میں تجارت و
 زراعت، اور معنوی وسائل میں توکل علی اللہ، اور اس کی مدد کا یقین، اس سے دعا
 مانگنا، اور شرعی طور پر متبرک مقامات پر ہمنون دعاؤں کا مانگنا۔ نماز و زکوٰۃ ہی کو
 لے لیجئے کہ یہ تمام دینی اور دنیوی منافع کی حامل ہیں، پھر یہ کہ اسباب کو تو تبدیل لاسباب
 ہی جان سکتا ہے ہم کیسے کسی دعا کے بارے میں یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس لئے
 قبول ہوئی اسی لئے انبیاء کا یہ طریقہ تھا کہ مخلوق کو وہی باتیں بتاتے تھے جن کا نفع
 یقینی ہوتا تھا، فلاسفہ کی طرح اسباب کائنات اور اسرارِ موت و حیات نہیں
 بتاتے تھے، اس لئے ان کا کوئی خاص فائدہ نہیں تھا یا موجب ضرر بن سکتے تھے۔

مشرکین کی دعا کی قبولیت کا سبب کبھی ان کا خدا کے لئے اخلاص ہی ہوتا ہے اگرچہ وہ اس کے بدلے میں عذاب بھی بھگتیں گے، جیسا کہ ثعلبہ نے حضور سے کثرت مال کی دعا کی درخواست کی اور حضور کی مانعت کے باوجود اصرار کرتا رہا جس پر حضور نے دعا فرمائی، اور بالآخر وہی کثرت مال دنیا و آخرت میں اس کی محرومی کا سبب بن گئی، ارشاد ہے:

ان الرجل ليسألني المسألة
فأعطيها إياها فيمخرجهما تباطها
ناراً فقالوا يا رسول الله فلم
تعطيهم؟ قال يا بون إلا أن يسألوني
ويا لي بالله لي البخل،
ایسے بھی آدمی ہوتے ہیں کہ مجھے سوال کرتے
ہیں اور میں انہیں دیتا ہوں لیکن وہ سوال
ان کے لئے عذاب نار بن جاتا ہے لوگوں
نے عرض کیا کہ حضور آپ وہ سوال کیوں
پورا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ وہ اصرار کرتے
ہیں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر سے بخل کا الزام دو
کرتا ہے اور انہیں دے دیتا ہے۔

قرآن مجید میں اسی لئے کہا گیا:

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ
لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ،
اپنے رب سے آہستہ اور عاجزی سے دعا کرو
وہ دعا میں حد سے بڑھنے والوں کو پسند

نہیں کرتا۔ (۵۵:۷)

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ کسی بزرگ کی عبادت و دعا کو مقبول دیکھ کر
اس کی نقل کرنے لگتے ہیں لیکن ان کے حق میں وہ نتائج نہیں نکلتے ہیں، اس لئے کہ
نقل تو صورت کی ہے لیکن حقیقت موجود نہیں۔

بعض شیوخ کو خواب میں دیکھا گیا کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے عتاب میں فرمایا:
 یا شیخ السؤانت الذی کنت تتمثل بسعدی ولبنی لولا اعلم انک
 صادق لعدبتک“ (اے پیرو فرقت تم سعدی ولبنی کے نام پر عزال کہتے تھے اگر
 مجھے تمہارا ہی صداقت نہ معلوم ہوتی تو عذاب دیتا۔)

سمنون محب سے نقل ہے کہ میرے دل میں ایک خیال آیا اور میں نے دجلہ
 کے کنارے جا کر دعا کی کہ تیری عزت کی قسم میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا
 جب تک میرے لئے مچھلی نہیں نکل آتی۔ چنانچہ ایک بڑی مچھلی نکل آئی، لیکن
 جب حضرت جنیدؒ کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا: میں تو چاہتا تھا کہ سانپ نکل کر اسے
 ڈس لیتا!۔ اور ہم تک حکایت پہنچی ہے کہ مدینہ کے کسی مجاور نے قبر شریف پر
 اگر کسی کھانے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ اس نے ایک ہاشمی فرد کو دیکھا کہ وہ کھانا
 لے کر آ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ حضورؐ نے بھیجا یا ہے۔ مگر یہ بھی فرمایا کہ یہاں سے
 نکل جاؤ، اس لئے کہ جو یہاں کا ہوتا ہے وہ ایسی خواہش نہیں کرتا (وقال لا:
 اخرج من عندنا فان من یكون عندنا لا یشتمی مثل هذا)۔

دعا کے بارے میں کچھ نصیحتات

حرام دعاؤں میں دین و دنیا کے لئے کسی نقصان رساں دعا کا مانگنا ہے
 جیسے حضورؐ ایک شخص کی عبادت کے لئے تشریف لے گئے تو اس سے پوچھا تم نے
 لہ یہاں صداقت سے مراد ان بزرگ کا صدق و اخلاص مع اللہ ہو سکتا ہے یا ان کے عشق صادق
 کی وجہ سے انہیں مغلوب السال سمجھا گیا۔ (مرتب)

کوئی دعا مانگی ہے؟ اس نے کہا میں نے یہ مانگا تھا کہ مجھے جو عذاب آخرت میں ملنا ہے، یہیں مل جائے حضور نے فرمایا تمہیں تو دنیا و آخرت دونوں کے لئے بہتری کی دعا مانگنا تھی۔ جابر بن عبدیگ کے گھر والوں سے حضور نے فرمایا کہ دعا ہمیشہ بہتری مانگا کرو اس لئے کہ فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ بعض بزرگ لوگ بھی غصہ میں اگر کسی کے لئے بد دعا کر بیٹھتے ہیں لیکن اس کا عذاب انہی کو ملے گا۔

کفار اور فاسقین کی دعاؤں کی مقبولیت دراصل ان کے لئے استدراج اور مہلت ہوتی ہے جس کے بدلے میں وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے کبھی شیطان کسی بزرگ کی صورت میں اگر کوئی کام کر دیتا ہے جیسا کہ میرے سامنے اس کی مثالیں ہیں کہ وہ کام ہوا، لیکن خود ان بزرگ کو خبر نہیں ہوتی، یہاں تقدیر اور امور شرعیہ کی بحث سامنے آتی ہے کہ بعض امور تقدیری ہیں، لیکن اللہ انہیں پسند نہیں کرتا، اور بعض شرعی طور پر مباح ہوتی ہیں، لیکن بندے کی تقدیر میں نہیں ہوتیں اس لئے ان پر ثواب ملے گا، اور کبھی تقدیر شریعت کے مطابق ہوتی ہے، تب بھی اس کی دعا پر ثواب ملتا ہے، شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ خدا کی رحمت ہے کہ مشرکانہ دعا سے مہات امور میں کامیابی نہیں حاصل ہوتی بلکہ بعض چھوٹے مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَنَا كُفْرًا حَدَّابِلُ اللَّهِ
أَوْ أَنتُمْ السَّاعَةَ أَخْبَرُ اللَّهُ تَدْعُونَ
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ - بَلْ آيَاتُ اللَّهِ تَدْعُونَ
فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ

کہئے کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر تم پر اللہ کا عذاب
یا قیامت آجائے تو پسند بناؤ کہ کیا اس وقت
کسی غیر اللہ کو پکارو گے؟ بلکہ اسی کو پکارو گے
تو وہ تمہاری مصیبت دور کر دے گا اگر

چاہے گا اور اس وقت تم ان خداؤں کو
بھلا دو گے جن کو شریک خدا کہتے ہو!

وَتَسْوُونَ مَا تَشْرِكُونَ -

(۴۱:۲۰-۶)

دوسری جگہ کہا گیا:

جب سمندر میں تم پر کوئی آفت آجاتی ہے
تو اس وقت سارے خدا غائب ہو جاتے
ہیں اور صرف ایک خدا باقی رہتا ہے اور
جب وہ تمہیں نجات دے کر خشکی پہنچا دیتا
ہے تو پھر تم سرکشی کرنے لگتے ہو انسان ہے
یہی بڑانا شکرا۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضَّرْبُ مِنَ الْبَحْرِ ضَلَّ
مَنْ يَدْعُونَ إِلَّا آيَاتُنَا فَلَمَّا نَجَّكُمُ
إِلَى الْبَرِّ اعْرِضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ
كَفُورًا -

(۶۴:۱۴)

مضطرب و پریشان کی دعا کون سنتا۔
مصیبت دور کرتا، اور تمہیں زمین کی
خلافت دیتا ہے؟

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ
وَيُنْفِثُ السُّوْعَ وَيَجْعَلُ الْخِلَافَةَ
الْأَرْضِ - (۶۲:۲۴)

کہئے کہ اپنے مزمومہ خداؤں کو بلا دیکھو، وہ
تمہاری مصیبت نہ ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے
ہیں، اور کچھ لوگ دعا کرتے اور اپنے رب کا
وسیلہ چاہتے ہیں، ان میں سے کون زیادہ
قرب ہے؟ اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار
اور اس کے عذاب سے خائف ہیں، آپ کے
رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ
دُونِیَ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضَّرْعِكُمْ
وَلَا تَحْوِيلًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ
يَبْخَعُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمْ الْوَسِيلَةَ إِنَّهُمْ
أَقْرَبُ وَيَرْجِعُونَ رَحْمَتًا وَيَجْأُونَ
حَدَايَةَ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ
مَحْدُورًا - (۵۷:۱۷)

اَمَّ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ
 شُفَعَاءَ قُلُوبًا لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ
 شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ
 جَمِيعًا۔ (۳۹: ۲۳، ۲۴)

کیا انھوں نے خدا کے سوا کچھ اور شفاعت
 گار بنائے ہیں؟ کہئے کیا اس صورت میں
 بھی انھیں شفیع کہتے رہو گے کہ وہ کچھ بھی
 اختیار نہیں رکھتے، اور نہ عقل رکھتے ہیں
 کہہ دیجئے کہ شفاعت تو تمام تر خدا کے
 ہاتھ میں ہے۔

بعض فلاسفہ اور متصوفہ دعا کو بیکار بتاتے اور کہتے ہیں کہ جس کی دعا مانگی
 جا رہی ہے یا تو وہ مقدر ہوگی، اس صورت میں دعا تحصیل حاصل ہے، یا
 غیر مقدر ہوگی اس شکل میں دعا فضول ہے، وہ دعا کو تقدیر کی علامت
 کہتے ہیں سبب نہیں مانتے حالانکہ دعا ایک مستقل سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے دل میں دعا کی
 خواہش ڈالتا اور اس کی دعا کو تقدیر کا سبب بنا دیتا ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ
 نے فرمایا: اِنِّي لَا اَحْمِلُ هَمَّ الْاِجَابَةِ وَاِنَّمَا اَحْمِلُ هَمَّ الدَّعَاءِ فَاِذَا
 اَلْهَمْتُ فَاِنَّ الْاِجَابَةَ مَعَهُ (مجھے قبولیت دعا کی فکر نہیں رہتی بلکہ صرف
 دعا کی فکر رہتی ہے، اس لئے کہ جب دعا کی توفیق ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ
 قبولیت بھی اس کے ساتھ ہی ہے)

اسی کو مولانا رومؒ کہتے ہیں۔ ع

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو

شیخ فرماتے ہیں کہ اشیاء کا مبداء و معاد خدا ہی کی ذات ہے "فمبدأ الأمور

من اللہ وتمامہا علی اللہ۔“ ایک حدیث ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے پوچھا:

”یا رسول اللہ! رأیت ادویۃ
تند او سی بہا ورتیٰ نسترتیٰ
بہا ورتیٰ نتیہا! هل ترد من
قدر اللہ شیئا قال: ہی من قدر اللہ
یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے کہ
دوائیں تعویذیں، اور پریز جو ہم کرتے ہیں
کیا یہ تقدیر کو لوٹا سکتے ہیں؟ کہا یہ بھی تو
تقدیر ہی ہیں!

دوسری حدیث میں ہے کہ ”ان الدعاء والبلاء لیلقیان فیعتلجان
بین السماء والارض“ (دعا اور بلا آسمان و زمین کے درمیان جب ملتی ہیں تو باہم
کشکش پیدا ہوتی ہے۔)

ہمارا عقیدہ ہے کہ دعا سے طے شدہ تقدیری مقاصد ہی نہیں بلکہ خارق
عادت اور فوق الاسباب باتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں جیسے حضرت طارقؓ نے
تے یا علیم یا حلیم یا علی یا عظیم اسقنا“ کہہ کر دعا مانگی جس کے
نتیجے میں تاریخ میں آتا ہے کہ گرمی کے موسم میں صرف ان کے لشکر تک بارش ہوئی
(فمطر وافی یوم شدید الحرۃ لم یجاءوز عسکرہم) اسی طرح سمندر
کو انھوں نے اس طرح پیدل طے کیا کہ ان کے قدم بھی نہیں تر ہوئے۔
(وقال احملنا فمشوا علی النہر الکبیر وشیئا لم یبل اسافل اقدام
دو ابہم)۔

ایوب سختیانیؓ نے اپنے ساتھی کے لئے پہاڑ پر ایک ٹھوک سے چشمہ جاری
کر دیا جو پھر سیرابی کے بعد بند ہو گیا، دعا کی اہمیت اور اس کی تاثیر اسلام کے

مسلمات میں سے ہے۔ اور علمی زندگی میں دعا کے اتنے کھلے ہوئے اثرات اور برکات دیکھنے میں آتے رہتے ہیں کہ ان کا انکار حقیقت کا انکار بن جاتا ہے۔

قبر پر دعا کے چند احکام

قبر پر دعائیت کے لئے تو جائز ہے لیکن کسی اور کے لئے ناروا ہے۔ اور خود صاحب قبر کے لئے بھی روزانہ کی حاضری جس سے بے جا اہمیت کا انظار ہونا مناسب ہے، قبر نبویؐ کے بارے میں صحابہؓ کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ مسجد نبویؐ میں نماز کے لئے جب داخل ہوتے تو اسی وقت سلام کر لیتے قبر پر نہیں جاتے تھے، کبھی کبھار بلا کسی پابندی کے البتہ حاضری دیدیتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی معمول تھا، جب سلف کا یہ معمول تھا تو یہی ہمارا بھی ہونا چاہئے، امام مالکؒ نے کیا خوب فرمایا تھا کہ اس امت کے عہد اخیر کی اصلاح وہی طریقہ کر سکتا ہے جس نے اس کے اول کو سدھارا تھا (ان یصلحوا اخرھذا کالامۃ الاما اصلاح اولہا)

شیخ الاسلامؒ قبر رسولؐ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ حجرہ عائشہؓ میں تھی، لیکن بعد کے لوگوں نے حجرہ میں تبدیلی کر دی جس میں ولید بن عبد الملک کا بھی ہاتھ تھا، اس وقت مدینہ کے عامل حضرت عمر بن عبد العزیزؓ تھے، جنہوں نے ان اضافوں کو ختم کر کے حجرہ کو پورے طور سے مسجد شریف میں داخل کرایا سعید بن المسیبؒ اور متعدد اہل علم نے اس تبدیلی کو ناپسند کیا، لیکن بہت سے علماء حکومت کے ساتھ بھی تھے، جہاں تک قبر نبویؐ کو چھونے اور مس کرنے کا

سوال ہے اس کے بارے میں ابو بکر الاثرم کی امام احمد سے روایت ہے کہ انھوں نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، انھوں نے منبر شریف کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ہاں منبر چھو سکتے ہیں، اثرم نے کہا کہ "ابن ابی فدیك عن ابی ذئب عن ابن عمر" کہہ کر لوگ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے منبر پر مسح کیا تھا۔ امام نے فرمایا کہ یہ روایت سعید بن المسیب سے بھی ہے، زمانہ کے بارے میں ہے، میں نے کہا کہ اسے یحییٰ بن سعید سے بھی روایت کرتے ہیں کہ وہ عراق کے سفر کے موقع پر منبر کو مسح اور دعا کرتے ہوئے دیکھے گئے، امام نے فرمایا کہ وہ کسی ضرورت سے ہوگا، امام احمد نے منبر اور زمانہ کو (یعنی منبر کے اس دستے کو جس پر آنحضرت دست مبارک رکھتے تھے) چھونا جائز کہا ہے لیکن قبر شریف کا مسح جائز نہیں کہا ہے، البتہ ایک روایت یہ ہے کہ امام احمد نے بعض افراد کے جنازے کی مشایعت کے بعد ان کی قبر پر ہاتھ رکھ کر دعا کی ہے امام مالک نے قبر شریف کی طرح قبر کو بھی چھونا مکر وہ کہا ہے، آج تو جل جانے کے بعد نہ منبر ہے نہ زمانہ اور منبر کی صرف ایک جلی ہوئی لکڑی رہ گئی ہے، جسے چھونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ حضرت ابن عمر سے منبر میں سے تشریف رکھنے کی جگہ کے چھونے کی روایت ہے نہ کہ مطلق منبر کے مسح کرنے کی، امام مالک اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ قبر شریف کی طرف دعا نہ کرے بلکہ قبلہ رخ ہو کر دعا مانگے، متاخرین میں ابو الوفا بن عقیل اور ابن جوزی کی بھی یہی رائے ہے۔

اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی صحابی، تابعی یا مشہور امام سے قبروں پر

دعا کے قصد سے جانے کی اجازت ثابت نہیں، تیسری صدی کے بعد اہل بدعت کی کتابوں میں ایسی چیزیں ملنے لگیں، سلف سے صرف ایک رخصت کا پتہ ابن ابی الدنیا کی کتاب القبور میں ابن ابی فدیک کی روایت سے چلتا ہے، جس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

من زارني بالمدینه محتسباً كنت له شفيعاً وشهيداً يوم القيامة
 جس نے مدینہ آکر ثواب کی نیت سے میری قبر کی زیارت کی تو قیامت میں اس کے لئے میں شفیع اور گواہ بنوں گا۔

ابن ابی فدیک کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ جس نے قبر شریف پر ان الله وملكته يصطلون على النبيؐ کی تلاوت کی اور ستر بار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دعا کی تو فرشتہ اس پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کی ہر حاجت پوری ہوتی ہے، لیکن یہ روایت متحد و جوہ سے قابل اعتنا نہیں۔

(۱) ابن ابی فدیک نے یہ روایت مجہول شخص سے کی ہے، اور وہ خود درود پوری صدی کے اواخر کے آدمی تھے اور تبع تابعین میں بھی نہ تھے، اور صحیح حدیث میں تو یہ ہے کہ من صلی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو حضورؐ پر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت کرتے ہیں) اور اس میں ہے کہ ستر بار کے بعد ایک فرشتہ جواب دیتا ہے۔

(۲) اس میں دعا کی نیت سے حاضری کا ذکر ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ حاضری کے ضمن میں دعا کی بھی گنجائش ہے۔

(۳) مزار نبویؐ پر دعا کی مقبولیت کثرت درود کے ساتھ مشروط ہے،

جیسا کہ حضرت عمرؓ سے اثر منقول ہے کہ الدعاء موقوف بین السماء
والارض حتی تصلى علی نبیک (دعا آنحضرتؐ پر درود پڑھنے تک موقوف
رہتی ہے۔ ترمذی)

محمد بن حسن بن زبالہ نے اخبار المدینہ میں لکھا ہے کہ اہل مدینہ میں سے ایک
شخص کو جمعہ کے دن برابر عصر سے مغرب تک صلوٰۃ و سلام پڑھتے دیکھا گیا
(یہ محمد بن حسن واقدی کی طرح ضعیف ہیں، لیکن تھوڑا بہت ان کی روایات کا
اعتبار بھی ہے)

لیکن اسی میں ہے کہ ربیعہ بن عبد الرحمن کی مجلس کے لوگوں نے اسے
تعجب کی نگاہ سے دیکھا تھا ابن وردان سے روایت ہے کہ انس بن امام مالکؓ
سلام کے بعد قبر شریف کی دیوار پر بیٹھ ٹیک کر دعا کرتے تھے۔

اس باب میں ان روایات سے یہاں بحث نہیں جن میں آنحضرتؐ پر سلام کا
جواب سنا گیا ہے یا یہ کہ سعید بن المسیب واقعہ حرہ کی راتوں میں قبر شریف سے
آتی ہوئی اذان کو سنی تھی۔ یہ سب صحیح ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے،
والاھراجل من ذالک واعظم۔

بعض افراد کے سوال پورے بھی کئے گئے ہیں، لیکن یہ مناسب نہیں اس لئے کہ
عدم اجابت کے وقت ایمان میں فتور آنے کا اندیشہ بھی کمزور لوگوں کے حق میں قائم
ہے اسی طرح انبیاء و صالحین کے مزارات کی برکات میں انوار اور ملائکہ کا نزول،
شیاطین اور بہائم کا ان سے بچنا، آگ کا نکلنا، اور اپنے پڑوس کے لوگوں کی
سفارش ان کے قریب دفن ہونے کا استحباب اور انس و سکینہ کا حصول بے ادبی

کرنے والوں پر عذاب کا نزول، یہ سب حق ہے لیکن اس سے یہاں بحث نہیں۔
(۴) ایسی جگہوں پر دعا کی مقبولیت کا عقیدہ اس عدول حکمی تک پہنچائے گا کہ
مزارات، عید گاہ بن جائیں گے۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ کسی قبر پر پابندی سے تلاوت قرآن اور ذکر بدعت
ہے اس لئے کہ سب قبر کی بے جا اہمیت کی طرف یجاتے ہیں۔ پھر میت کو ثواب
پہنچنے کے بارے میں دو مسلک ہیں۔

ایک یہ کہ عبادات بدنیہ (صلوٰۃ و قراۃ) کا ثواب میت کو ملتا ہے، جیسا کہ
عبادات مالیہ کا ثواب بالا جماع اسے ملتا ہے، یہ امام احمد اور امام ابو حنیفہؒ کا
مسلک ہے اور امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے بعض اصحاب کا بھی اور یہی صحیح بھی ہے
دوسرا یہ کہ عبادات بدنیہ کا ثواب اسے کسی حال میں نہیں ملتا، یہی امام شافعیؒ
و امام مالکؒ کے اصحاب کا مشہور مذہب ہے، بہر حال میت کا قرآن اور دوسری
آوازیں سننا تو حق ہے، لیکن مرنے کے بعد کے عمل پر اسے کوئی ثواب نہیں ملتا ہے،
لیکن مردہ اپنے قریب کئے جانے والے معاصی سے پریشان ضرور ہوتا ہے، قبر پر
تلاوت کے باب میں امام احمدؒ سے تین روایات ہیں؛

(۱) یہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں، یہی ظلال اور اکثر متاخرین حنابلہ کا مذہب
ہے، بلکہ اسی کو امام احمد کا آخری قول بھی کہا گیا ہے، اور یہی احناف کی ایک جماعت
کا کہنا ہے، اس بارے میں معتد علیہ قول ابن عمر و کا ہے کہ انھوں نے اپنی قبر پر تلاوت
کی وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت سورۃ البقرہ کی شروع اور آخر کی آیتیں پڑھی
جائیں، بعض مہاجرین سے اس کا پڑھنا ثابت بھی ہے۔

(۲) یہ کہ مکروہ ہے حتیٰ کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ میں بھی اختلاف ہے کہ اہل سنت کی روایت امام احمد کے اجل اصحاب: عبدالوہاب الوتراق، ابو بکر المرزوی، جمہور سلف: جیسے امام ابو حنیفہ، امام مالک، ہشیم بن بشیر وغیرہ سے ہے، اس بابے میں امام شافعی، کا کوئی قول منقول نہیں، اس لئے کہ یہ ان کے نزدیک بدعت ہے، امام مالک کہتے ہیں کہ میں کسی کو بھی نہیں جانتا جو ایسا کرتا ہو۔

(۳) یہ کہ دفن کے وقت ان کے ہاں تلاوت میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ابن عمرؓ کی روایت نقل ہوئی لیکن قرأت کے لئے مستقل آنا سلف سے ثابت نہیں۔ اسی طرح قبروں پر ذبیحہ بھی منع ہے رسول اللہؐ نے فرمایا: لا حق فی الاسلام (اسلام میں ایسا ذبیحہ نہیں۔ احمد والبوداؤد) اسی طرح قبروں پر اعتکاف اور ان پر بجا اور بن جانا ان کی خدمت اختیار کرنا ان پر پرمے اور چادریں پڑھانا اور لٹکانا یہ سب بدعت ہیں اخیر میں شیخ فرماتے ہیں جو خیر کی طلب رکھتا ہے، وہ دیا جاتا ہے اور جو شر سے بچنا چاہتا ہے بچایا جاتا ہے، فانہ من یتحی الخیر یعطہ ومن یتوقی الشر یوقیہ۔“

مقامات مقدسہ کا حکم

علماء کے ایک طبقہ میں ان مقامات میں عبادت کو ممنوع اور مکروہ کہا گیا ہے اور دوسرے قول میں ابن عمرؓ کے اس فعل سے دلیل لیکر اسے جائز کہا گیا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی اتفاقی عبادت کی جگہوں کو بھی ڈھونڈ کر وہاں عبادت کرتے تھے، انہ کان یتحی قصداً واطواضع التی سلکھا النبی صلی اللہ

علیہ وسلم۔

سندی الخواتمی امام احمد سے حضرت ابن ام مکتومؓ کی روایت سے جو ازکی روایت کرتے ہیں، امام بخاریؒ موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں کہ سالم بن عبد اللہ کو بھی حضرت ابن عمرؓ کے مقام عبادت کو تلاش کرتے دیکھا جاتا تھا، یہی روایت نافعؓ سے بھی ہے جن لوگوں نے اسے مکروہ سمجھا ہے ان کی دلیل سعید بن منصور کی سنن کی وہ روایت ہے جس میں حضرت عمرؓ نے لوگوں کو راستے کی ایک مسجد کی طرف پکارتے دیکھ کر روکا تھا حالانکہ اس میں حضورؐ نے نماز پڑھی تھی، آپ نے فرمایا:

هكذا اهل الكتاب قبلكم: اتخذوا
اثارا لنبيائهم نبيعا من عرضت له
منكم الصلاة فيه فليصل ومن
لم تعرض له الصلاة فليمض.
تم سے پہلے اہل کتاب ہی طرح ہلاک ہوئے
تھے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کے آثار
کو عبادت گاہ بنایا۔ جسے نماز واقعی
پڑھنا ہو وہ پڑھے ورنہ چلتا رہے۔

محمد بن وضاح بوشجرۃ الرضوان کے کلمے کے راوی ہیں، کہتے ہیں کہ امام الکلی اور دوسرے علمائے مدینہ آثار مدینہ میں سواقتاً اور احد کے پابندی سے حاضری مکروہ سمجھتے تھے، حضرت سیفان ثوریؒ بیت المقدس گئے تو صرف نماز پڑھ کے چلے آئے۔ آثار کی زیارت نہیں کی ابن عمرؓ کا فعل ذاتی اجتہاد پر مبنی تھا اسی لئے خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہؓ کو ہم ایسا کرتے نہیں دیکھتے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہؓ کے طرز عمل پر عمل کرنا کسی ایک صحابیؓ کی روایت پر عمل کرنے سے بہتر ہے، لیکن متاخرین علماء اور بعض مخالفانہ نے بھی

آنحضرت کے اتفاقی مقامات ورود و عبادت کی زیارت کو بھی بہتر سمجھا ہے، جیسا کہ صحیحین میں عثمان بن مالکؓ سے روایت ہے کہ وہ جب معذور ہو گئے تو ان کی خواہش پر حضورؐ نے ان کے گھر جا کر نماز ادا کی جسے انھوں نے اسے اپنی مسجد کے لئے متعین کر لیا بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں عبادت سنت ہوتی ہے جیسے صحیحین میں یزید بن ابی عبدی کی روایت ہے کہ سلمہ بن الأكوعؓ کو اسطوانہ کے پاس اکثر نماز پڑھتے دیکھا گیا اس لئے کہ حضورؐ وہاں نماز ادا فرماتے تھے، شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب نظیریں، حضرت ابن عمرؓ کی ہوں یا عثمانؓ کی انفرادی اور شخصی حیثیت رکھتی ہیں، جمہور صحابہؓ اور خصوصاً خلفائے راشدین کا طرز عمل اس کے برخلاف ہے۔

اس سلسلے میں یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ آنحضورؐ سے کسی مخصوص قبر کی زیارت اور اس کی روایت ثابت نہیں اور مستند مجموعہ احادیث میں ایک صحیح روایت بھی اس بارے میں نہیں ملتی، اور جو دارقطنی کی روایت ہے وہ بھی باتفاق اہل علم ضعیف ہے، بلکہ خود قبر شریف کی زیارت کے متعلق احادیث بھی کذب افتراء ہیں، جیسے یہ روایات:

(۱) من زارنی و زار ابی ابراہیم الخلیل
فی عام و لحد ضمنت لہ علی اللہ
الجنۃ“

جس نے میری اور میرے جد امجد ابراہیم کی
ایک ہی سال میں زیارت کی تو میں خدا کے پاس
اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۲) و من زارنی بعد مماتی فکا ما
زارنی فی حیاتی۔

جس نے میری زیارت میرے بعد کی اس نے
گویا زندگی ہی میں زیارت کی۔

(۳) و من حج ولم یزرنی

جس نے حج کیا لیکن میری زیارت کو نہ آیا تو

فقہ جفالی۔

اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

بس ایک روایت میں اتنا ہے کہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت ملی تھی، اس کے بعد آپ نے تذکیر و تذکرہ کے لئے عام طور پر بھی زیارت قبور کی اجازت دی تھی، لیکن یہ رخصت چونکہ مانعت کے بعد تھی اس لئے عبرت و عظمت کی ضرورت ہی تک محدود رہے گی، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اس لئے کہ بقدر الضرورات تبیح المحذورات؛ (اجازت ضرورت کی حد تک ہوتی ہے)

سحر و طلسمات کی بدعتیں

سحر تو اسلام میں بالکل حرام ہے اگرچہ بعض لوگوں نے صرف علم کی حد تک اس کی اجازت دی ہے، شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ تو صراحتہ سورج اور چاند ستاروں سے عبادت کی حد تک عقیدت رکھتے ہیں اور ان کے نام سے طحیح کی دعائیں اور تعویذات لکھتے ہیں، ان کے مناسب لباس اور انگشتریاں پہنتے ہیں اور ان کی رعایت سے مبارک اور مناسب اوقات کا یقین کرتے اور سعد و نحس کا حال بتاتے ہیں، یہ سب عمل خالص مشرکانہ عمل ہیں، اس کا رواج اس حد تک ہوا کہ علمائے اسلام بھی تصنیف کی حد تک اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور ایک مشہور عالم نے "السحر والتمائم فی السحر وخطیبة الجنوم"، لکھ ڈالی۔

لہ اس سے امام فخر الدین رازیؒ کی طرف اشارہ ہے، ان کی یہ کتاب دارالکتب المصریہ (مکتبہ تیموریہ) میں موجود ہے، لیکن امام رازیؒ سے سن ظن رکھتے ہوئے کتاب کے دیکھے بغیر

کوئی قطعی فیصلہ کرنا ہمارے لئے دشوار ہے۔ (مرتب)

اور دوسرے لکھنے والوں میں عظیم ہندی، ملکو شاہ بابلی، ابن وحشیہ، ابو مشرلمی، اور ثابت بن قرہ کے نام آتے ہیں، یہ لوگ سحر و طلسم کی وجہ سے شرک کی حد میں داخل ہو گئے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ آيَاتِنَا ثُمَّ نَبَّئُوا بِهَا الْكُفْرَانَ وَوَاعَدْنَا مَنْ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ الْيَوْمَانِ أَنْ يَحْسَبُوا الْوَيْدَانَ إِعْجَابًا وَالْحَمَلَ عِشْقًا وَكَانُوا جُنْحًا وَإِنَّا مُنذِرُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ آزَابٌ أَلِيمٌ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا سُبُلًا فَأُولَئِكَ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ كِسْفًا مِنَ الذَّنْبِ فَكُلَّمَا سَلَتْ مِنْهُمْ آيَةٌ مِنْ آيَاتِنَا لَأُولَئِكَ لَئِيْلٌ مُسْتَقِرٌّ وَرَوَاهُ اللَّهُ لَبْدًا مُجْتَمِعَةً يَوْمَ يُغْفَرُ لِكُلِّ يَاسِعٍ أُولَئِكَ يَنْهَى اللَّهُ فِتْنَتَهُمْ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ثُمَّ كَفَرُوا وَلَمْ يُؤْتُوا الْوَيْدَانَ إِعْجَابًا وَالْحَمَلَ عِشْقًا وَكَانُوا جُنْحًا وَإِنَّا مُنذِرُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ آزَابٌ أَلِيمٌ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا سُبُلًا فَأُولَئِكَ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ كِسْفًا مِنَ الذَّنْبِ فَكُلَّمَا سَلَتْ مِنْهُمْ آيَةٌ مِنْ آيَاتِنَا لَأُولَئِكَ لَئِيْلٌ مُسْتَقِرٌّ وَرَوَاهُ اللَّهُ لَبْدًا مُجْتَمِعَةً يَوْمَ يُغْفَرُ لِكُلِّ يَاسِعٍ

(۵۲، ۵۱: ۴)

کرتا ہے، اس کا آپ کوئی مددگار نہیں پاسکتے۔

”جنت“ کو سلف نے ”سحر“ اور ”طاغوت“ کو ”اوثان“ کہا ہے، اور بعض لوگ اسے ”شیطان“ بھی کہتے ہیں۔

لے سحر کا علم شرک نہیں بلکہ اس پر عمل و عقیدہ شرک ہے اگر کوئی سحر کے ابطال کے لئے سحر کو سیکھے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اسی طرح نجوم اور فلکیات (ASTRONOMY) پر کتابیں لکھنا اور فلکیاتی سائنس پر کام کرنا شرک اور سحر میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ اس لئے یہ کہا جائے گا کہ شیخ الاسلام کی مراد دوسری ہے یا وہ سحر کو بہت عام معنوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ (مرتب)

غیر اللہ کی قسم کھانا

غیر اللہ کی قسم حرام اور بدعت ہے اور ائمہ کا اتفاق ہے کہ یہ قسم واقع نہیں ہوتی، اور یہ اس لئے کہ خدا کے آگے کسی بھی مخلوق کی خواہ وہ نبی یا ولی ہی کیوں نہ ہو کوئی ہستی نہیں۔ قسم اور دعاؤں میں صرف خدا کے اسماء و صفات ہی کا نام لیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ماثور اور مننون دعاؤں میں ہے، ”اللہم انی اسألك بان لك الحمد انت احدث المغان المنان، بدیع السموات والارض، یا ذا الجلال والاكرام“ دوسری حدیث میں ہے، ”اللہم انی اسألك بانك انت احدث الاحد احمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یكن له كفوا احد“ ایک اور حدیث میں ہے ”اسألك بكل اسم هو لك سمیت به نفسك او انزلتہ فی کتابك او علمتہ احدًا من خلقك“ اور اسنا اثرت به فی علم الغیب عندك“ اسی قسم کی دعائیں مشروع اور جائز ہیں، ”اسألك بمعاقب العزمین عرشك“ (آپ کے عرش کی معزز نشیمنگاہوں کے طفیل مانگتا ہوں) کو کچھ لوگوں نے جائز کہا ہے لیکن امام ابوحنیفہ نے کہہ کر وہ کہا ہے، ابو الحسن قدوری کرخی کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال بشر بن الولید سمعت ابایوسف	بشر بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے امام
قال قال ابوحنیفہ رحمہ اللہ	ابو یوسف سے سنا کہ امام اعظم فرماتے تھے
لا ینبغی لاحد ان یدعو اللہ	کہ کسی کو خدا کے سوا کسی اور کے واسطے سے

ابوہ واکرہ ان يقول بمعاقد العز
من عرشك، او بحق خلقك وهو
قول لابی یوسف قال ابویوسف
بمعد العز من عرشه هو الله
فلا اكره هذا او اكره بحق فلان
او بحق انبياءك ورسلك و بحق
البيت والمشعر الحرام بهذا الحق بكرة
دعا مانسب نبی ہے، اور معاقد العز کے
واسطے سے کنا اور مخلوق کے والے سے
دعا مانگنا بھی مکروہ ہے، یہی امام ابو یوسف
کا بھی قول ہے، لیکن وہ فرماتے ہیں کہ اگر
”معاقد“ سے خدا ہی مراد ہے تو یہ مکروہ
نہیں ہے، اس کے ساتھ ہی انبیاء اور رسولوں
بیت الشریعہ، یا مشعر حرام کے واسطے سے
دعا کرنا بھی مکروہ ہے۔

امام ابو یوسف کی دلیل وہ اثر ہے جس میں ہے کہ:

اسألك بمعاقد العز من عرشك
ومنتهى الرحمة من كتابك وباسمك
الاعظم، وجدك الاعلى وكلماتك
التامة؛
آپ سے عرش کی معزز کرسیوں، کتاب
کے انتہائی رحمت، اسم اعظم، آپ کے
بلند مرتبہ اور آپ کے مکمل کلمات کے
واسطے سے سوال کرتا ہوں؟

لیکن یہ اثر بھی نزاعی ہے، اسی طرح حضرت ابو سعید کی ابن ماجہ والی روایت
میں بھی کلام کیا گیا ہے جس میں ہے کہ:
اللهم انى اسألك بحق السائلين
عليك و بحق عمتائى هذا فانى
لم اخرج أشراً ولا بطراً ولا رياءً
ولا سمعةً، خرجت اتقاء سخطك
اے اللہ میں آپ کے سائلین کے اور اپنی
اس رفتار کے واسطے سے دعا کرتا ہوں
میں اگر طے کے ساتھ فخر اور بڑھاپہ و شہرت کا
طالب ہو کر نہیں نکلا ہوں میں تو آپ کے

وابتغاء مرضاتك اسألك ان
تتقضى من النار وان تغفر لي۔
غضب سے بچنے اور آپ کی رضا طلب
کرنے کے لئے نکلا ہوں میں آپ سے سوال
کرتا ہوں کہ مجھے آگ سے بچائیے اور میری
مغفرت کیجئے

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ
وَلَا رُحَامَ (۱۰:۴)
اس خدا سے ڈرو جس سے اس کے اور شتوں
کے واسطے سے سوال کرتے ہو۔

حزہ کی قرأت میں "ارحام" پر اگر زیر پڑھا جائے تو معنی ہوتے ہیں،
اس لئے بعض لوگوں نے اسے جائز کہا ہے، اور نحویوں کا یہ کہنا کہ ضمیر مجرور پر
عطف بلا اعادہ جار کے نہیں ہوتا غلط ہے، اس لئے کہ عربی نظم و نثر میں اس کے
برخلاف بھی مثالیں ملتی ہیں، جیسا کہ سیبویہ نے نقل کیا ہے کہ ما فیہا غیو
وفرسہ

اسی طرح "حدیث اعمی" سے بھی "توسل" کا ایک گونہ جواز بظاہر نکلتا ہے
جس میں ہے کہ:

جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم
فسأله ان يمد عواطفه ان يروى بغير
فامر ان يتوضأ فيصلي ركعتين
ایک اعمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور
اللہ تعالیٰ سے اپنی بینائی کے لئے دعا کی
فرمائش کی آپ نے وضو اور دو رکعتوں کا

لہ عاجز راقم کے خیال میں غیر اللہ کے واسطے سے دعا کی حرمت یا کراہت اگر کلیہ ہے تو
اسے ایک استثنائی صورت بھی تو مانا جاسکتا ہے جبکہ خود اللہ تعالیٰ ہی اس کی اجازت دے رہے
ہیں، واللہ اعلم بالصواب، (مرتب)

وَيَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَالتَّوَجُّعَ
إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ
يَا مُحَمَّدُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِلَى التَّوَجُّعِ
بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي لِتَقْضِيهَا
اللَّهُمَّ فَتَنْفَعْنِي، وَدَعَا اللَّهِ
فَرَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ بَصْرَةَ

(نسائی و ترمذی)

حکم دیا اور یہ دعا بتائی، کہ اس طرح کہے۔
اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور
آپ کے نبی، نبی الرحمتہ محمد کے ساتھ میں
آپ کی طرف متوجہ ہوں اور اے محمد لے اللہ
کے نبی میں آپ کو لیکر اپنے رب کی طرف اپنی
حاجت کے لئے متوجہ ہوتا ہوں کہ آپ میری
حاجت پوری کر اویں، اے اللہ انھیں میرے
حق پر سفارش سمجھئے لیکر کہ اس نے دعا کی
اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مینائی بحال کر دی

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر مومن بندوں کا
حق رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

”وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ“ (۳: ۷۷) (ہم پر مومنین کی مدد کا حق
ہے) ”يَا كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ“ (۵۴: ۶) (تمہارے رب نے اپنے اوپر
رحمت کو ضروری ٹھہرایا ہے) اور صحیحین میں ہے کہ حضور نے حضرت معاذ سے
فرمایا کہ ”معاذ اِجَانْتُمْ بِهٖ خُذَا كَابِدُوْنَ بِرِیْءًا حَقًّا“ انھوں نے کہا اللہ اور
اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ ”اَسْ كَا حَقِّ اِنِّ بِرِیْءًا حَقًّا“ اس کی عبادت
کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں، اور بندوں کا حق خدا پر جانتے ہو کیا ہے؟
انھوں نے کہا خدا اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ ان کا حق یہ ہے کہ
وہ انھیں عذاب نہ دے، خدا پر اپنے اوپر کچھ واجب کرنے کے بارے میں

اختلاف ہے لیکن "مخلوق" کی طرح قیاس کرنا قدریہ کا عقیدہ ہے یعنی یہ کہ بندوں کی طرف سے کوئی حق خدا پر واجب ہوتا ہے یا کوئی ممنوع ہوتا ہے ایسا کہنا اہلسنت کے عقائد کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ بعض "مخلوق" کی تصریح کتاب و سنت میں موجود ہے انھیں پیش نظر رکھ کر ہی دعا مانگی جاسکتی ہے جیسے حدیث میں تین آدمیوں کے اعمال صالحہ کے واسطے سے دعا کرنے کی حکایت آئی ہے جو دفعۃً ایک غار میں بند ہو گئے تھے۔

اس کے ساتھ یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ کبھی شرکین کا انخلاص بھی دعا کی قبولیت کا سبب بن جاتا ہے اس لئے کہ خود قرآن میں اس کی تصریح ہے، لیکن اجابت و عارضائے الہی کی دلیل نہیں ہوتی، روایات میں آتا ہے کہ نصاریٰ نے کسی اسلامی شہر کے محاصرے کے وقت اللہ تعالیٰ سے پانی کی دعا کی جو قبول ہوئی، اس پر عامۃ المسلمین میں بڑی کھلبلی مچی، اس موقع پر ایک بزرگ نے ایک اجتماع کیا جس میں فرمایا کہ اے اللہ تو نے ان نصاریٰ کے رزق کا بھی ذمہ لیا ہے، اس لئے کہ تو نے ہر مخلوق کا ذمہ لیا ہے، اسی وجہ تو نے ان کی دعا قبول کی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تو انھیں یا ان کے دین کو پسند کرتا ہے، اب کوئی ایسی نشانی بھی نازل فرما کہ تیرے بندوں کا ایمان سلامت رہے چنانچہ یہ مخلصانہ دعا بھی قبول ہوئی اور ایک ایسی ہوا چلی کہ تمام نصاریٰ کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۷ حضرت تھانویؒ کے جدید ملفوظات میں اس قسم کا ایک واقعہ نظر سے گزرا کہ جنگ (باقی دیکھو)

اعمالِ صالحہ سے توسل کا ایک واقعہ حضرت فضیل بن عیاضؓ سے نقل ہے کہ انھیں عسر البول کی شکایت ہوئی تو انھوں نے دعا کی: ”مجھی ایالک الاما فرجت عنی“ (آپ سے میری محبت کا واسطہ ہے کہ آپ میری تکلیف دور فرمائیں)، چنانچہ آپ شفا یاب ہوئے، ایسی ہی ایک مہاجرہ عورت نے اپنے مردہ بیٹے کے لئے دعا کی کہ ”اللهم انى امنت بك و برسولك وهاجرت في سبيلك“ (اے اللہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی اور تیرے راستہ میں ہجرت کی) اس پر اس کا بیٹا زندہ ہو گیا، لیکن اسے اللہ بحق السائلین“ والی حدیث کو عطیہ عوفی نے روایت کی ہے، جو ضعف سے خالی نہیں، اگر صحیح بھی ہو تو اسی باب سے ہوگی۔

دعا اور استعاذہ کی ایک فلسفیانہ بحث

آنحضرتؐ نے ایک موقع پر اس طرح دعا مانگی تھی:

اعوذ بربضائك من مخطاك و	میں آپ کے رضا کے واسطے سے آپ کے
بمخافاتك من عقوبتك واعوذ بك	عذاب سے اور آپ کے عفو کے طفیل آپ کی
منك لا احصى ثناء عليك امنت	سزا سے اور آپ سے پناہ طلب کرتا ہوں یہ آپ کی
لما اثنت على نفسك -	تعریف نہیں کر سکتا آپ تو ایسے ہی ہیں جیسا کہ
	اپنی تعریف کی ہے۔

(باقی صفحہ ۱۷۷) روس و روم میں لوگوں نے ترکوں کی فتح کے لئے حضرت مولانا گنج مراد آبادی سے دعا کا درخواست کی تو حضرت نے فرمایا کہ کیا روسی خدا کے بندے نہیں؟۔

مخلوق سے استعاذہ اللہ کے ہاں جائز نہیں اس لئے یہاں سے لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ کلام اللہ اور دوسری صفات مخلوق نہیں اور دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضورؐ فرماتے تھے "اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق" جمہور اہل سنت عفو باری کو وہ فعل مانتے ہیں جو ذات باری کے ساتھ قائم ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کا کوئی فعل و عمل مخلوق نہیں، یہی امام احمد و مالک اور امام شافعی و امام ابو حنیفہ کے اصحاب کا قول ہے، عام اصحاب حدیث صوفیہ، اور فلسفہ و کلام کے بہت سے علماء کا بھی یہی مسلک ہے اسی سے معتزلہ اور ہمسہ کا جواب بھی ہو جاتا ہے۔ محدثین، عام منکلبین جو صفات کے قائل ہیں، جیسے کلابیہ، اشعریہ، کرامیہ وغیرہ کا استدلال یہ ہے کہ کلام اللہ اس لئے غیر مخلوق ہے کہ صفت جب کسی محل و مقام سے قائم ہوتی ہے تو اس کا حکم محل ہی کا ہوتا ہے، الگ نہیں ہوتا، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کسی محل کے لئے علم و قدرت یا حرکت پیدا کر دیں تو خدا ہی عالم و قادر اور متحرک ہے لیکن اس محل کی وجہ سے عالم و قادر اور متحرک نہیں، (یعنی ذات الہی سے کسی صفت کا ظہور ذات کے دائرے میں ہو تو وہ مخلوق نہیں) لیکن اگر غیر ذات میں کوئی صفت پیدا ہوئی تو وہ محل موصوف مخلوق ہے، جیسے شجر موسیٰ میں کلام نازل کر دیا گیا تھا تو وہی متصف بالکلام تھا اور اسی نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ "انذی انا اللہ" (نعوذ باللہ)۔

ان لوگوں کا کہنا مان یا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہاں پتھر بولیں یا ہاتھ سے آواز آئے یا کنکریاں کلمہ پڑھیں یا کائنات میں جو کچھ ہو وہ سب

ان من برّھما بعد موتھما الدعاء
 لھما، والاستغفار لھما وانفاذ
 عھدھما من بعد موتھما، وصلۃ
 رحمۃ اللہ الیٰہم والرحمۃ الیٰہم
 والدین کا حق ہے کہ ان کے مرنے کے بعد
 ان کے لئے دعا استغفار کیا جائے، اور ان
 کے عہد کو نبایا جائے۔ اور ان کے متعلقین
 کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔

توسل کے باب میں شیخ الاسلامؒ کی یہ عبارت بہت صریح ہے جس سے
 ان کے مسلک پر روشنی پڑتی ہے:

فالتوسل بالانبیاء والصلحین
 یكون بامرین: اما بطاعتھم و
 اتباعھم، واما بدعائھم وشفاعتھم
 اما مجرد دعاء الیٰہی وتوسلہ
 بہم من غیر طاعتہ منہ لھم
 ولا شفاعتہ منہم لہ فلا ینفع
 وان عظم جاز احدھم عند
 اللہ تعالیٰ۔

انبیاء اور صالحین سے توسل کی دو شکلیں
 ہیں، ایک یہ کہ ان کی اطاعت و اتباع
 کا سہارا لیا جائے، دوسرے یہ کہ ان کی
 دعا اور شفاعت کام آئے، لیکن صرف
 دعا کرنا اور بغیر عمل کے توسل چاہنا اور
 ان کی شفاعت کے بغیر کوئی کام نکل
 جانا ممکن نہیں، اگرچہ کسی نبی و ولی کا
 عند اللہ کیسا ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

مقامات مقدسہ پر مزید روشنی

حضرت ابن عمرؓ کے طرز عمل کی توجیہ میں شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ
 وہ ان مقامات کے لحاظ سے اتباع سنت کے اعمال نہیں انجام دیتے تھے

ان کا مقصد تو اتباع سنت تھا، نہ کہ وہ مقامات۔

پھر اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ایسے مقامات راہ میں ہیں، تو وہاں زیارت و دعا کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے لئے باقاعدہ سفر جائز نہیں، جیسے کوئی غار، غار ثور، کوہ طور، جبل قاسیون، جبل النبی پر جا کر دعا اور عبادت کرے تو یہ مستحسن نہیں۔

جبل حرا کی بھی کوئی خصوصیت نہیں، اس لئے کہ بعثت سے پہلے جاہلیت میں بھی قریش وہاں جاتے اور عبادت کرتے تھے، حضرت ابوطالب کا مصرع ہے۔ ع

وراق لیرقی فی حرا وینازل!

بعثت کے بعد آپ مکہ میں ۱۲ سال قیام پذیر رہے، لیکن کبھی حرا کی زیارت کو نہیں گئے، اور نہ کوئی صحابی گئے، پھر ہجرت کے بعد آپ نے چار عمرے کئے، مگر غار حرا کی زیارت کو کبھی نہیں گئے، اور مقامات حج کے سوا کہیں نہ گئے۔

اسی طرح مکہ کے جو متبرک مقامات مشہور ہیں، ان کے بارے میں اعتقاد کی ضرورت ہے۔ حج کے سلسلے میں حجر اسود کے سوا خانہ کعبہ کے کسی جز کا بوسہ ثابت نہیں اور رکن یمانی کے سوا رکن شامی کا استلام بھی ثابت نہیں، یہاں

لے شاہ ولی اللہ نے بھی حج میں صرف رکن یمانی کا استلام لکھا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ۶۰/۲ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۳ھ)

ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ میں ایک ساتھ تھے، حضرت معاویہؓ نے چاروں ارکان کا استلام کیا جس پر حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ صرف رکن یمانی کا استلام جائز ہے، اس پر حضرت معاویہؓ بولے کہ بیت اللہ کی کوئی چیز چھوڑنے کی نہیں، اس پر حضرت ابن عباسؓ نے اسوہ رسولؐ کی اتباع والی آیت پڑھی جس کے بعد حضرت معاویہؓ نے ان سے اتفاق کیا، اسی طرح مقام ابراہیمؑ کا استلام و تقبیل جائز نہیں، بلکہ یہ عام حکم یاد رکھنا چاہئے کہ حجر اسود کے سوا تقبیل اور رکن یمانی کے سوا استلام کہیں جائز نہیں۔

اور جب مقام ابراہیمؑ کے بارے میں کوئی تعظیمی حکم نہیں تو قدم رسولؐ اور دوسرے مقامات کا حکم بھی اسی سے معلوم ہو جاتا ہے، مسجد حجرات، مسجد غار المرسلات، مسجد الکلبش وغیرہ کی زیارت بھی غیر مشروع ہے۔
مسجد قبا کے بارے میں صحیحین میں ہے کہ آنحضرتؐ ہر شنبہ کو پیدل یا سوار وہاں تشریف لاتے تھے، سنن میں حضرت اسید بن حضیرؓ سے روایت ہے کہ "الصلاة فی مسجد قباء کحمدۃ" (مسجد قبا کی نماز عمرہ کے برابر ہے)۔ (ابن ماجہ و ترمذی)

لیکن اس کے لئے علماء نے شدید حال سے منع کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ صرف مساجد ثلاثہ کے لئے ہے۔

فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمرؓ نے "صخرہ" کو بلے کے نیچے دبا پایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں کو اس کی طرف نماز پڑھتے دیکھ کر

عیسائیوں نے ان کی ضد میں اس پر کوڑا ڈالنا شروع کر دیا تھا، حضرت عمرؓ نے اپنے دامن میں اس کوڑے کو اٹھایا، اور مسلمانوں نے بھی ان کی تقلید کی پھر آپ نے نبطیوں کو اس کام پر لگا دیا اور وہ کوڑا بالآخر صاف ہو گیا، پھر آپ نے حضرت کعب الاحبارؓ سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے لئے مسجد کہاں بناؤں؟ انہوں نے کہا صحرہ کے پیچھے حضرت عمرؓ خفا ہوئے اور فرمایا "یا ابن الیہودیتۃ خالطتک الیہودیتۃ" (یہ تہ سارا یہود نوازانہ مشورہ ہے) اور پھر آپ نے صدر مقام پر مسجد بنائی، یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے نہ صحرہ کے پاس نماز پڑھی اور نہ اسے مس کیا اور نہ مسلمانوں نے ایسا کیا، بلکہ محراب داؤد کے پاس آپ سے نماز ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ بیت المقدس میں نماز تو پڑھتے تھے لیکن صحرہ اور دوسرے مقامات کے پاس نہیں جاتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ، امام اوزاعیؓ، اور حضرت سفیان ثوریؓ کے متعلق بھی یہی آتا ہے، صحرہ کا قبہ عبدالملک بن مروان نے ایک سیاسی مقصد کے تحت بنایا تھا، حضرت ابن زبیرؓ چونکہ کہیں مقیم تھے، اس لئے لوگوں کا ان کی طرف رجوع دیکھ کر عبدالملک نے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے صحرہ کو آلہ کار بنایا، اور لوگوں نے کعب الاحبارؓ وغیرہ سے اسرائیلی روایات بھی منسوب کرنا شروع کر دیں، جیسے کسی نے عبدالملک کی مجلس میں یہ روایت بیان کی کہ 'خدا نے صحرہ سے کہا ہے کہ تو میرا نچلا عرش ہے'، اس پر عروہ بن زبیر نے

جو وہاں موجود تھے کہا کہ خدا تو کہتا ہے کہ اس کی کرسی ارض و سماوات کو محیط ہے اور تم یہ کہتے ہو؟ صحیحہ کی بس یہ حقیقت ہے کہ وہ یہود کا قبلہ منسوخ ہے، صحابہ میں سے کسی سے اس کی کوئی تعظیم منقول نہیں، اکثر اسرائیلیات کعب الاحبار ہی سے مروی ہیں، جن کے بارے میں حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ کعب کی روایات میں ہمیں کبھی کذب کا بھی شبہ ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ محدثین تو ائمہ اعلام کی..... مراسیل بھی نہیں قبول کرتے تو کعب کی روایات جو ہزاروں سال پہلے سے متعلق ہوتی ہیں کیسے قبول کر لیتے ہیں۔

سوال و دعا صرف خدا سے

صحیح حدیث میں ان لوگوں کی صفت بیان ہوئی ہے جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے:

ہم الذین لا یسترقون
ولا ینکونون ولا یتطیرون
وعلی ربہم یتوکلون۔

یہ وہ لوگ ہوں گے جو کسی سے... تعویذ بھی نہ مانگتے ہوں گے اور نہ بدن پر دلغ لگاتے ہیں اور نہ فال نکھواتے ہیں بلکہ

اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے حضور رسالتؐ نے فرمایا: اذا سألت فاسأل الله واذا استغثت فاستعن بالله (جب مانگو تو خدا سے

انگوا اور جب مدوچا ہو تو خدا سے چاہو۔

شُرک سے توحید کو اتنی چڑھنے کہ شرک کا شبہ پیدا کرنے والے الفاظ سے روک دیا گیا:

حضور نے فرمایا:

لَا يَقُولُونَ أَحْمَدُ كَمَا شَاءَ اللَّهُ
وَشَاءَ مُحَمَّدٌ بَلْ مَا شَاءَ اللَّهُ ،
كُوْنُ يُوْنُسَ كَمَا شَاءَ اللَّهُ
بَلْ كَمَا شَاءَ اللَّهُ
ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ -

کسی نے حضور کی خدمت میں عرض کیا "جو خدا اور آپ چاہیں" اس پر حضور نے اسے تشبیہ کی کہ "اجعلتنی جلہ نذاً او قل ما شاء الله و حدۃ" (کیا تم مجھے خدا کا شریک بنا رہے ہو؟ یوں کہو کہ صرف وہ ہو جو خدا چاہے)۔

بدعت و مشابہت سے پرہیز دین کا تقاضا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيُحْمَلْ
عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُتْرَكَ فِي مَعَادَةٍ
رَبِّهِ أَحَدًا - (۱۱۰: ۱۸)

جو اپنے رب سے ملنا چاہتا ہے وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔
حضرت عمرؓ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے:
اللهم اجعل عملي كله صالحاً اے اللہ میرا ہر عمل نیک بنا، اور اسے

واجعلہ لوجہک خالصاً اپنے ہی لئے بنا اور کسی دوسرے کا
ولا تجعل لاحدٍ فیہ شیئاً۔ اس میں کچھ نہ رکھ۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ جب تک کوئی عمل خالص خدا کے لئے
اور سنت کے مطابق نہ ہو، وہ مقبول نہیں۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "اسلام" سپردگی اور خالص اطاعت
و انقیاد کے معنوں میں آتا ہے، جیسے فرمایا گیا:

صَرَبَ احْتِلَافٌ مِّثْلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ الشَّرِّ مَالٌ دِيْنَا بَعْدَ كَيْفٍ وَهُوَ غَلَامٌ بَعْدَ
مُنْتَهَا كَسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ۔ جس میں کئی شریک ہیں، اور ایک وہ
خالص ایک کا ہے۔ (۲۹:۳۹)

یہاں "سَلَمًا" کو خالص کے معنی میں استعمال کیا گیا، اسی کے مقابل "اِحْتِلَابًا"
آتا ہے، جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ "جس کے دل میں کبر کا ایک ذرہ
بھی ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا لوگوں نے عرض کیا حضور! آدمی چاہتا
ہے کہ اس کے کپڑے اور اس کے جوتے اچھے ہوں، کیا یہ بھی کبر ہے؟ فرمایا
نہیں! الشَّرُّ جَمِيْلٌ ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، کبر تو حق سے روگردانی اور
لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے، قال لا ان الله جميل يحب الجمال الكبر
بطر الحق و غمط الناس؟

یہود کو قرآن نے کبر کی اسی صفت سے موصوف کیا ہے، اور نصاریٰ کو

لہ حدیث میں کبر کی جو تعریف آئی ہے اور قرآن نے انہیں جس طرح متکبر کہا ہے (باقی صفحہ ۱۸۶ پر)

شُرک سے متصف ثابت کیا ہے، یہود کے لئے کہا گیا:

أَفَلَمْ يَأْتِكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَيْتِ
 أَنفُسَكُمْ (سُتَلْبِرُونَ)؟ (۲: ۸۷)

کیا جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول تمہارا
 مرضی کے خلاف کوئی حکم لایا تو تم نے
 تکبر نہیں کیا؟

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ "اسلام" ہر نبی کا دین رہا ہے، اس لئے کہ سب
 میں توحید و رسالت، ایمان و یقین، قیامت و آخرت، حشر و نشر، جزا و سزا کا
 عقیدہ مشترک رہا ہے، اسی لئے حضور نے فرمایا: اِنَّمَا مَشَرُكَ الْأَنْبِيَاءِ دِينُنَا لِأَنَّ
 (ہم تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے)۔ کہیں فرمایا: "الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتِ"
 (تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں) ایک جگہ ارشاد ہوا: اِنِّ اَوْلَى النَّاسِ
 بِابْنِ مَرْيَمَ لَأَنَّ فُلَيْسَ بِنَبِيٍّ وَبَنِيَّاهُ نَبِيٌّ (ابن مریم سے میں سب سے زیادہ
 قریب ہوں کہ میرے ان کے درمیان کوئی دوسرا نبی نہیں) شیخ فرماتے ہیں کہ
 دین کی بنیاد پر کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا، بلکہ اختلاف تو بدعتوں اور جہتوں
 سے شروع ہوتا ہے اسی لئے بے دین گروہوں کے قبلہ مقصود جدا جدا
 ہیں اور ان میں کوئی نقطہ اشتراک اور رشتہ اتصال نہیں:

وَلَا يَزَالُ اَلْوَنُ مُتَنَلِفِينَ اَلَا مَن
 رَّجِمَ رَبُّكَ - (۱۱: ۱۱۸، ۱۱۹)

یہ لوگ ہمیشہ جھگڑتے رہیں گے، سوال ان کے
 جن پر خدا کا رحم و کرم ہے۔

(باقی صفحہ ۱۸۷) اسے آج بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح یہود اپنے مذہب، اپنی نسل، کو تمام دنیا سے
 برتر سمجھتے اور اپنی قوم کو خدا کی مخلوق سمجھ کر دوسروں سے نفرت کرتے ہیں۔ (مرتب)

خدا کے بارے میں انبیاء اور فلاسفہ کا طرز تصور

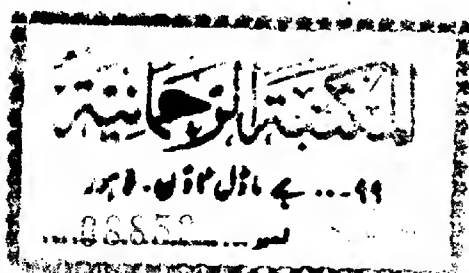
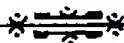
شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ انبیاء ہمیشہ خدا کی ذات و صفات کے اثبات پر زور دیتے تھے اور ان کے استدلال کا پہلو مثبت ہوتا تھا، اس لئے کہ وہ حقیقی علم رکھتے تھے، اور حقیقت کا ادراک ان کو مشاہدہ کی حد تک تھا، لیکن اس کے برخلاف فلاسفہ منفی طرز استدلال اپناتے ہیں اور صفات باری کی نفی و تنزیہ میں اتنی دور جا نکلتے ہیں کہ اثبات کی منزل گم ہو جاتی ہے، اور اثبات ذات کے لئے اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک وجود مطلق ہے، بشرط انفی یا بشرط الاطلاق، اور منطوق بیانی میں طے ہے کہ مطلق بشرط الاطلاق خارج میں موجود نہیں ہو سکتا، جیسے حیوان مطلق کا وجود خارج میں نہیں، اور نہ انسان مطلق کا وجود ہے، اس لئے کہ خارج میں معین و مشخص کا ہی وجود ہو سکتا ہے، قرآن انبیائی طرز پر زور دیتا ہے:

مُبْعَانِ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
بِصْفُونِ۔ (۱۸۰: ۳۷) بہت بلند ہے۔
آپ کا رب ان کی مجوزہ صفات سے

انبیاء کا طرز اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے، یعنی خدا کی ذات و صفات کا تفصیلی بیان لیکن نفی صفات میں اجمال و اختصار! قرآن میں جگہ جگہ خدا کے صفات کا بیان ہوا، لیکن نفی کے متعلق چند ہی آیتیں ہیں اور ان میں بھی عموم و اجمال ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ (۱۱۰: ۴۲) اس جیسا کوئی نہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ
 هَلْ تَحْلَمُ لَهُ سَمِيئًا؟ (۶۵:۱۹)
 اس کا کوئی شریک نہیں۔
 کیا آپ اس کا کوئی ہم نام بھی بنا سکتے ہیں؟
 فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أُندَادًا (۲۲:۲)
 خدا کا شریک نہ بناؤ۔



www.KitaboSunnat.com

لہ ہندوستان کے فلسفہ میں بھی ہونیتی نیستی کی تکرار ہے، اس سے بھی شیخ الاسلامؒ کی رائے کا تائید
 ہوتی ہے، مولانا آزاد مرحوم نے ترجمان القرآن میں اس پر بڑی اچھی بحث کی ہے۔ (مرتب)

861